

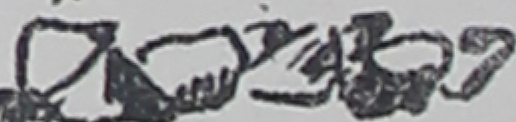


گل و سنگ



و











سراج النور

قیمت تین روپیہ پچاس پیسے
پرنٹر اعلیٰ پریس دہلی
ناشر
سہیل پبلشنگ ہاؤس پہاڑی بھوجلہ دہلی ۶

چند سلگتے ہوئے آنسو

جو یادوں کے دامن پر گر کر

ہمیشہ کے لئے جذب ہو گئے

وہ آتشیں قطرے

جن کی حدّت محبّت آشنا دل کو تڑپا

اب

صفحۂ قرطاس پر

لرزاں ہیں



ایک خواب گراں سے چونک کر ابھی اٹھا ہوں ناہید ....!
میٹھے میٹھے اور سہانے خوابوں کا زمانہ تو گزر گیا۔ وہ بیت گیا جب میں
روح پر ایک گہرا نشہ محیط کر دینے والے خواب دیکھتا تھا۔ اب تو آرزوؤں
نے تلخ حقائق سے ٹکر لی ہے۔ وہ خواب چکنا چور ہو گئے۔ اور اب میں
انتہائی ڈراؤنے اور آلام و مصائب کی تعبیر دینے والے خواب دیکھتا ہوں
سوتا رہتا ہوں۔ تو تمہارا دل آویز تصور لوریاں دیتا رہتا ہے۔ لیکن
جاگتا ہوں تو دل کا درد بھی جاگ اٹھتا ہے۔ اس درد کی شدت سے میں
پہروں نو کیا، مہینوں تلملاتا رہتا ہوں۔ دل میں اندر ہی اندر ایک دھواں
سا اٹھتا ہے اور پھر یہ دھواں آنکھوں کے راستے پانی بن کر بہنے لگتا ہے
یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی میں خواب دیکھنے سے باز نہیں آتا۔ زندگی

جب تک باقی ہے، میری آرزو ہے کہ میں ایسے حسین خواب ہمیشہ دیکھتا رہوں، جس میں تم نئے نئے روپ میں میرے سامنے آتی رہو اور میں نہیں ناہید آگے سوچتے ہوئے کبھی مجھے ڈر لگتا ہے۔ اور یہ ڈر یوں لگتا ہے کہ میری تمناؤں کی موت ہو چکی ہے۔ آرزوؤں کا جنازہ نکل چکا ہے اب میں وہ سنگ راہ ہوں، جسے لوگ ٹھوکر مار کر ہٹانا کبھی پسند نہیں کرتے!

اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج میں نے کیا دیکھا۔؟

میں نے دیکھا ناہید کہ میں اور تم ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک انجانی سی مگر چمکیلی سڑک پر چلے جا رہے ہیں۔ خودرو پودے گھاس میں سے سر نکال کر حیرت سے ہمیں دیکھنے لگتے ہیں اور ننھی ننھی کلیاں پتوں کی آڑ میں سمٹ کر مسکرا رہی ہیں۔ میں تمہیں اطراف کے دلکش مناظر دکھا رہا ہوں اور تم میری قربت کو محسوس کر کے بار بار شرما رہی ہو۔ اسی انداز سے شرما رہی ہو جس پر میں کبھی تڑپ کر رہ جاتا ہوں۔ یہ سڑک کبھی ختم نہ ہونے والی ایک فنا ہراہ بن جاتی ہے۔ میلوں لمبی۔ اس کا آخری سرا شاید اس دھند میں غائب ہو جاتا ہے۔ جو حد نظر سے بھی ماورا تھی۔ لیکن میری چشم بینا مسرت و نشاط کے وہ محلات دیکھ لیتی ہے جو اس دھند میں پنہاں ہیں۔ میں تمہیں جلد جلد قدم بڑھانے کے لئے کہتا ہوں۔ تم پھر مسکراتی ہو اور تمہیں مسکراتے دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ کسی صورت سے تمہیں دل میں چھپا لوں۔!

اور پھر یکایک ماحول پلٹ جاتا ہے۔ وہ ننھی ننھی کلیاں سہم جاتی

ہیں۔ وہ چمکیلی سڑک گہری ظلمت میں ڈوب جاتی ہے۔ وہ اونچے اونچے فلک بوس درخت اچانک دم توڑ دیتے ہیں اور ان کی ٹہنیاں یکایک نیچے لٹک جاتی ہیں ـــ!

سناٹا ــ بھیانک خاموشی۔

روح فرسا خاموشی ـــ

میں سہم جاتا ہوں۔ پلٹ کر تمہیں دیکھتا ہوں تو تم ایک سائے کے ساتھ بھاگتی ہوئی نظر آتی ہو۔ وہ سایہ تمہیں زبردستی مجھ سے جدا کر کے کہیں دور بہت دور بھٹکا لے جانا چاہتا ہے۔ میں تمہیں پکارتا ہوں۔ تمہارے پیچھے بھاگتا ہوں۔ لیکن اس سائے کی رفتار تیز ہوتی جاتی ہے۔ تیز ا ـ اور تیز۔ تم بری طرح چیخ رہی ہو۔ مجھے آوازیں دے رہی ہو۔ مگر میں جتنا تیز بھاگتا ہوں۔ اتنا ہی وہ سایہ دور ہوتا جاتا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ بس لگاتار بھاگے جا رہا ہوں۔ راہ میں پڑے ہوئے سنگریزے میرے پیروں میں چبھ رہے ہیں۔ میرے پیر زخمی ہو گئے ہیں مگر میں اسی رفتار سے تمہیں بچانے کے لئے دوڑ رہا ہوں۔ بھاگتے بھاگتے اچانک سڑک میں ایک غار پیدا ہو جاتا ہے اور میں رک جاتا ہوں۔ تم بار بار اداس نظروں سے مجھے دیکھتی ہوئی اوجھل ہو جاتی ہو۔ چھپ جاتی ہو اس گہری دھند میں۔ اور میں آنسو بہاتا واپس لوٹ آتا ہوں۔

بس۔ یہاں آکر یہ خواب ختم ہو جاتا ہے ـــ!

ہیں ایسے خواب شاید کبھی نہیں دیکھنا ناہید ! ۔ اگر تمہارے وطن کا ایک اجنبی شخص چند دن پہلے میرے پاس نہ آتا۔ میں اس کو جانتا تو نہیں، پہلی مرتبہ ہی اسے دیکھا ہے ۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ وہ شخص مجھے بہت پیارا لگا۔ وہ دیار محبوب سے آیا تھا نا ۔ اور تمہارے وطن کی مجھے ہر شے پیاری ہے ۔ میں کافی دیر تک اسے حسرت سے دیکھتا رہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بٹھایا ۔ ساتھ ہی میں نے اس سے پوچھا ۔

" فرمایئے ۔ ؟"

" جی میں رائے پور سے آیا ہوں ۔"

" مجھے معلوم ہے ۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا ۔ یہ مسکراہٹ صرف اس کی خاطر پیدا کی تھی ۔ !

" اختر نے آپ کے لئے ایک دستی خط بھیجا ہے ۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ نینی تال کی چند حسین اور دلکش تصاویر بھی دے دیجئے ۔"

" تصاویر !" میں نے آہستہ سے کہا ۔ تصاویر میری زندگی کا سرمایہ ہیں دوست ۔ مگر سب سے بڑا سرمایہ تو میں پہلے ہی کسی کو دے چکا ہوں ۔"

" وہ کہتے تھے کہ وہ ڈرائنگ روم کی زیبائش کے لئے چند بڑی پینٹنگ چاہتے ہیں ۔"

" ضرور دے دوں گا ۔"

میں نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ جواب دیا ۔ تم جانتی ہو ناہید

کہ مصور کی جان دراصل اس کے شاہکار ہوتے ہیں۔ مگر اب مجھے اپنی یہ سب
تصویریں پھیکی پھیکی سی لگتی ہیں۔ جب تمہاری قربت نصیب تھی تو ان تصاویر میں
زندگی تھی۔ حسن تھا اور تازگی تھی۔ مگر اب، اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
اب میں یہ تصویریں اپنے پاس کس طرح رکھ سکتا تھا۔ تمہارے گھر کے ڈرائنگ
روم میں یہ تصویریں لگیں گی۔ مطلب یہ کہ ایک طرح سے میں کاغذی پیرہن
کی صورت میں تمہارے گھر میں پہونچ جاؤں گا۔ اور ہر لمحہ تمہیں دیکھتا رہونگا
بھلا اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہو گی۔؟
اجنبی مجھے حیرت سے تک رہا تھا۔ مجھے خاموش پاکر اس نے دوبارہ
پوچھا۔
"ابھی دے دیجئے گا۔ میں آج ہی واپس جا رہا ہوں۔"
"اچھا۔ ہاں ہاں، آج ہی لے لیجئے گا۔" میں خواب غفلت سے
چونک گیا۔
"یہ خط لے لیجئے۔ میں شام کو حاضر ہوں گا۔"
اتنا کہہ کر اجنبی نے وہ خط تھما دیا۔ خط ہاتھ میں لیتے ہی میری حالت
غیر ہو گئی۔ ویسا ہی لفافہ تھا جس پر تم مجھے عموماً خط لکھا کرتی تھیں۔ جذبات میں
بہنے کا موقع نہیں تھا۔ کیونکہ اجنبی مجھے دیکھ رہا تھا اس لئے میں نے خط لیکر
رکھ لیا۔ اس نو وارد اور اس خط کو دیکھ کر دل میں ایک ٹھرک سی اٹھی۔
کاش۔! تمہارا ابھی کوئی پیغام یہ مجھ تک پہنچا دیتا۔ اور پھر اس عطر بیز
پیغام کو میں مرتعش انگلیوں سے کھولتا۔

اس روح پرور پیغام کو ___!

جسے تمہاری ملائم سی انگلیوں نے چھوا ہو گا۔ جس میں تمہاری کٹورے جیسی بڑی بڑی آنکھوں سے ٹپکنے والے دو گوہر آبدار جذب ہوں گے۔ جس کے ہر ہر لفظ میں محبت کروٹیں لے رہی ہو گی ___!

میں اس وقت بری طرح ہنس رہا ہوں۔ عشق کتنا سادہ لوح ہے! حسن کے تغافل کے باوجود بھی وہ اسے پوجے جاتا ہے! ___ یہ کتنا عجیب جذبہ ہے! کیسے بچکانہ خیالات ہیں اور کیسی سہمی ہوئی تمنائیں ہیں یہ۔ میں تم سے وہ چاہتا تھا جو تم مجھے نہیں دے سکتی تھیں۔

محبت ___!

اجنبی کے جانے کے بعد میں نے اختر کا خط کھول کر پڑھنا شروع کیا خطوط اب میرے پاس بہت کم آتے ہیں۔ میں ان کے جواب ہی نہیں دیتا تو لوگ مجھے خط کیوں لکھیں۔ ، یہ وہی اختر تو ہے نا جس کے خط کا جواب میں دنیا کے تمام کام چھوڑ کر دیتا تھا۔ جس کے خط کے لئے میں ہمیشہ دروازوں کو تکتا رہتا کہ اب کوئی نامہ بر لے کر آئے! ۔ اور بے تابی اس لئے ہوتی تھی کہ شاید تمہارا بھی کوئی چھوٹا سا پرچہ اس میں سے نکل آئے اور جسے پا کر میری بے برگ دگل زندگی میں بہار آ جائے!

خط کے الفاظ کو پڑھتے ہوئے میرا دل کانپ گیا۔ میرا دل آپ ہی بھر آیا۔ اختر مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے! ۔ وہ میرا کتنا خیال کرتا ہے۔

کیا کسی کا ایسا بھی دوست ہو سکتا ہے دنیا میں؟ وہ بے شک تمہارا ماموں ہے نا ہیرا۔ مگر تم اسے اتنا نہیں جانتیں جتنا کہ میں جانتا ہوں۔ خط میرے سامنے کھلا ہوا پڑا تھا اور یہ الفاظ مجھ سے کہہ رہے تھے۔

راشے پورہ

پیارے ساجد!

عرصہ ہو گیا تمہاری کوئی خبر ملے ہوئے۔ کہاں ہو تم؟ میری برسوں پرانی رفاقت کا یہ انجام ہوگا؟ اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ بندۂ خدا کبھی کبھار تو اپنی خیریت کے دو لفظ لکھ دیا کرو۔ یہ سوچ کر کہ ممکن ہے خطوط ڈاک کے ذریعے تم تک نہ پہنچتے ہوں، میں ان صاحب کے توسط سے یہ خط بھیج رہا ہوں۔ ساجد میں تمہارے دل کی حالت سے بخوبی واقف ہوں۔ میں نے تمہیں بہت قریب سے دیکھا ہے، تمہارے دل میں اتر کر تم کو دیکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم اس قدر شوریدہ سر کیوں ہو؟۔ مگر خدا کے لئے جو کچھ ہو چکا ہے، مجھے اس کے لئے مورد الزام مت ٹھہراؤ۔ اس میں میری کیا خطا ہے۔ میں نے تو تمہارے لئے وہ کیا ہے جو شاید ہی ایک دوست دوسرے دوست کے لئے کر سکے۔ میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو تم سے ایسا ناراض ہوتا۔ تمہاری حرکات پر تمہیں اتنا مطعون کرتا کہ بس، مگر میرے دوست میں تمہارے دل میں چھپے

ہوئے جذبے کی قدر کرتا ہوں ۔ تم نے ایک بار مجھے لکھا تھا
کہ یہ جذبہ تمہارے دل سے فنا ہو چکا ہے ! ۔ مگر یہ غلط ہے
تم خود فریبی کا شکار ہو ۔ خود کو اتنا بڑا دھوکا مت دو ساجد ۔
مجھے بتاؤ کہ اب میں تمہارے کس کام آسکتا ہوں ؟ ۔ مجھے
یقین ہے کہ تم کالج برابر جارہے ہو گے اور مصوری کی کلاسیں
برابر لے رہے ہو گے ۔ تمہیں اس کی قسم جسے تم دنیا میں سب سے
زیادہ چاہتے ہو ، خدا کے لیے غمزدہ مت رہنا ۔ میں جانتا
ہوں کہ تم غمگین رہا کرتے ہو ۔ ایک بڑا اچھا موقع ہے ساجد ۔
یہاں نمائش میں سالانہ مشاعرہ ہو رہا ہے تم ضرور آؤ ۔
مشاعرے میں تمہارا کلام جان پیدا کر دے گا ۔ مجھ سے
ملے ہوئے کبھی تمہیں برسوں ہو گئے ، مجھ سے مل بھی لو گے
اور حالانکہ مجھے کہنا تو نہیں چاہیے ۔ مگر تمہاری دلچسپی کے
لیے کہہ رہا ہوں کہ ناہید بھی آئے گی ۔

تو تم آرہے ہو نا ؟

میں منتظر ہوں ۔

تمہارا

اختر

یہ خط تھا وہ ۔ اختر مجھے واقعی بہت چاہتا ہے ۔ وہ میرا بچپن کا

دوست جو ہوا۔ مگر مگر میں تمہیں چاہتا تھا نا ہید۔ تمہاری پرستش کرتا تھا۔ اختر نے خط میں مجھے تمہاری قسم دی تھی۔ مگر زندگی میں اب میں یہ کس طرح گوارا کر سکتا ہوں کہ اس دیار میں جاؤں جہاں تمنائیں سسکتی رہی تھیں ان کوچوں کا طواف کروں جہاں سجدہ کرنا کبھی میرے لئے اب گناہ ہے۔

میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ لیا ہے۔ میں اب تمہارے وطن نہیں جاؤنگا میں تو ماضی کو فراموش کئے بیٹھا تھا۔ ایک ایک بات بھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اختر کے اس خط نے دل کے خوابیدہ تاروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ مجھے سب کچھ یاد آنے لگا ہے۔ خیالات کے اونچے اونچے گھروندے بنائے تھے میں نے۔ مگر یہ گھروندے جلد ہی ٹوٹ گئے۔

ریت کے محلات پانی میں کھڑے نہیں رہ سکتے۔۔!

لہریں چٹانوں کے گلے کا ہار نہیں بن سکتیں۔!

پروانہ شمع کی لو پر نہیں ٹھہر سکتا اور

چکور کبھی چاند تک نہیں پہونچ سکتا۔!

میں نے کبھی ایک ایسی ہی بات سوچی تھی جو کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے چاند تاروں سے اجالا مانگا تھا۔ مگر ظلمت کے بھیانک اندھیرے میرے حصے میں آئے۔! جو ناکامیاں اور محرومیاں میری قسمت بن گئی ہیں اور جو احساس کمتری مجھ پر بری طرح حاوی ہو گیا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ پورے دو سال کے بعد میری سوگوار یادوں نے مجھ پر یلغار کر دی ہے۔ میرا گلا رندھنے سا لگا ہے۔ دو سال تک کا رکا ہوا پر جوش دریا

اپنی پوری طاقت سے یادوں کا بند ھ ٹوٹتے ہی بہہ نکلا۔

دل اس طرح دھڑکا ناہید جیسے زندگی کی کل دھڑکنیں یہ آج ہی پوری کرے گا۔ ہر شے سے مجھے وحشت ہونے لگی۔ میرا اپنا کمرہ مجھے کاٹنے کو دوڑنے لگا۔ یہ کمرہ وہی ہے ناہید! جس میں تم نے ایک بار اپنے حسین قدم رکھے تھے۔ اس کمرے کی دیواروں پر میری بنائی ہوئی حسین تصاویر لگی ہوئی ہیں۔ تم نے انھیں حسین کہا تھا ورنہ میرے لئے اب ان میں کوئی جاذبیت نہیں ہے۔ یہ کمرہ بھی اب میرے لئے جہنم بن گیا ہے۔ میری بنائی ہوئی ان تصویروں کی تکمیل تمہاری ہی ذات سے ہوئی تھی۔ یاد ہے؟ اور آتشدان پر لگی ہوئی ایک دل آویز تصویر اس بے رونق کمرے کو زندگی بخش رہی ہے۔ پرانی باتیں یاد کر کے اب میں تمہاری تصویر کو گھنٹوں دیکھتا ہوں رہوں گا۔

میں آج کالج نہیں جا سکا۔ بس دن بھر بیٹھا تمہاری تصویر سے باتیں کرتا رہا۔ یہ باتیں کیا تھیں ہ سوائے تمہارے۔ دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ میری نظریں بار بار تمہاری بلائیں لیتیں اور انھیں کے ذریعے میں تم سے محوِ گفتگو رہا۔ کئی احباب آئے لیکن میں نے نوکر سے کہلوا دیا کہ میں آج ان سے نہ مل سکوں گا۔ آج میری ناہید میرے پاس آئی ہے۔ تمہاری یاد کا آنا، میرے لئے اب تمہارے آنے ہی کے برابر ہے۔

کالج سے ایک چپڑاسی بھی آیا۔ پرنسپل صاحب بہت بوڑھے ہیں اور مجھ سے زیادہ انھیں میری شوریدہ سری اور بے التفاتی پسند ہے۔ "کہتے ہیں کہ میں کھویا کھویا سا کیوں رہتا ہوں؟ (ہنسی) اب بتاؤ کہ

میں انھیں اس کا کیا جواب دوں ؟۔ چپراسی نے مجھ سے کہا کہ اوشا نے بھی میری طبیعت دریافت کی ہے کہ آخر کیا بات ہے کہ میں آج کالج نہیں آیا۔ ؟

مگر یہ اوشا۔ !

ناہید تمہیں اس بات کا کوئی حق تو نہیں ہے کہ اب مجھ سے میری زندگی میں آنے والی لڑکیوں کے بارے میں پوچھو۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے وہ میری زندگی میں نہیں آئیں بلکہ میں ان کی زندگی میں آیا ہوں۔ میں جو لاابالی پن میں پورے کالج میں مشہور ہوں۔ جس کے بارے میں طالبات کا خیال ہے کہ مغرور ہے۔ ایسی ہی ایک لڑکی یہ اوشا ہے۔ اور اس لڑکی کا ذکر میں تمہیں سناؤں گا۔ تمہیں جلانے کے لئے نہیں۔ یہ بتانے کے لئے بھی نہیں کہ دیکھو تمہارے منہ موڑنے کے بعد بھی بیشتر لڑکیوں نے مجھے چاہا ہے۔ بلکہ محض اس لئے کہ میں حقیقت کے دروازے وا کرنا چاہتا ہوں ماضی کے ساتھ ساتھ حال کی باتیں بھی تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔

اور یہ باتیں دل کی محرومیوں کی ہیں۔ !

ایک سال پہلے کی بات ہے۔ اس وقت کی بات ہے جبکہ آرزوؤں کے دئے سسک رہے تھے۔ آس و امید کے قصر منہدم ہو چکے تھے اور میں ساحل سے بچھڑ کر بیچ بھنور میں غوطہ زن تھا۔ تم نے مجھ سے کنارہ کر لیا تھا اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس وسیع کائنات میں اکیلا ہوں۔ اور ناامیدی کے بھیانک سائے ہر سمت سے میری طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں

تم مجھ سے بہت دور چلی گئیں تھیں اور میں محبت کی شاہراہ پر تنہا چل رہا تھا منزل کوئی نہ تھی۔ نوکیلے خار سدِّ راہ تھے، مگر زندگی کے دن تو پورے کرنے تھے!۔ اس لئے میں چپ چاپ اور خاموش سا رہنے لگا۔ چھٹیاں ختم ہو چکی تھیں، کالج کھل چکا تھا اس لئے میں نے کلاسیں لینی پھر شروع کر دیں۔

پروفیسرز نے مجھے دیکھا تو چونک گئے۔

"کیا بیمار تھے۔؟" ایک نے پوچھا۔

"یار۔ چھٹیوں میں تو تم مرجھا کر رہ گئے۔؟" دوسرے نے کہا۔

"کیا بات ہے ساجد۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" یہ اقبال تھا اور وہی میرا سب سے بڑا ہمدرد تھا۔

"طبیعت ٹھیک ہی ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"نہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی بات ہے۔؟ ناہید تو اچھی ہے!"

وہی تیز اور نوکیلا خنجر!۔ میں نے کتنے کچوکے برداشت کئے تھے۔ اور اقبال پھر نیزے کی تیزانی میرے دل میں مار رہا تھا۔! میں نے اس کی بات سن کر ایک پھیکی سی ہنسی کے ساتھ جواب دیا۔

"ناہید بہت اچھی ہے۔ وہ پہلے سے بھی اچھی ہے۔!

"مگر پھر تمہاری یہ حالت۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟"

"تمہیں زیادہ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"مگر ساجد۔ تم شاید مجھ سے چھپا رہے ہو۔ تمہارا چہرہ تمہارے

دل کی غمازی کر رہا ہے۔"
"میں تمہیں کیا بتاؤں۔؟
"یہی کہ تم اچانک اتنے غمزدہ کیوں ہو گئے۔ تمہارے قہقہے کیا ہوئے تمہاری مسکراہٹ میں اب جان کیوں نہیں ہے۔؟
"اقبال۔ میں ایک سراب کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ بڑی دیر بعد حقیقت کھلی کہ سراب محض سراب ہوتا ہے۔ میں نے چاند کو پانے کی اور اسے چھونے کی آرزو کی تھی۔ مگر چاند تغافل کے دبیز بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا۔ جو نہ ہونا تھا وہ ہو گیا اقبال۔ اب سب دنیا ویران سی لگتی ہے۔ اب کلیوں کے چٹکنے سے بھی دل پر زخم پڑ جاتے ہیں۔ میں نے جو پایا تھا سب کھو دیا۔
"تو یہ بات ہے۔ اقبال جیسے سب سمجھ گیا۔" تو اس میں فکر کی کیا بات ہے؟ تمہاری زندگی میں ہزاروں لڑکیاں آئیں گی اور جائیں گی۔ پھر اتنا رنج کیوں کرتے ہو؟"
"نا ہید، نہیں آئے گی۔"
"چھوڑو اسے۔ یہ سب لڑکیاں کم بخت ایک جیسی ہوتی ہیں۔ میرے یار دل کو روگ لگانے سے کیا حاصل۔ اتنی سی زندگی میں ہر لمحہ بسورتے رہنے سے زندگی اور کم ہو جاتی ہے۔"
"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔"
"آپ تو پاگل ہیں۔"
"درست ہے۔"

"ساجدہ - اوشا آرہی ہے" اقبال نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔
اور میں جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ اسٹاف روم میں جاکر ایک کرسی
پر بیٹھنے کے بعد میں نے اوشا کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اوشا۔
ایک کم گو اور سنجیدہ سی لڑکی، جس کی آنکھوں میں ہزاروں ان کہے راز
چھلک رہے تھے۔ جسے آرٹ سے خاص شغف تھا اور جسے شاید مجھ سے
کبھی کچھ دلچسپی تھی!

ناہید یہ لڑکی بڑی عجیب سی تھی۔ جب میں اسے مائیکل اینجلو۔
ڈاونچی کے شاہکار دکھاتا۔ اور ان کے بارے میں اُسے ان کے فن سے
آگاہ کرتا تو وہ ٹکٹکی باندھے مجھے دیکھتی رہتی تھی۔ میں سمجھتا کہ شاید میری
باتوں کو توجہ سے سن رہی ہے، لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ اپنی آنکھوں کے
ذریعے وہ میری صورت کو اپنے دل پر نقش کر رہی ہے!

کلاس روم میں پہنچنے کے بعد میں نے ڈیسک پر ایک ماڈل کو بٹھا دیا
وہی پرانا فقیر جسے دیکھ کر لڑکے ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ مگر اس فقیر کے
چہرے میں غضب کی جان تھی اسی لئے میں نے اسے ماڈل بنا دیا۔ سب طالبعلم
اور طالبات فقیر کے خد و خال کو کاغذ پہ اتارنے میں منہمک ہو گئے۔ میں گھومتا
گھومتا جب اوشا کے نزدیک پہنچا تو دیکھا کہ وہ وہی فرسودہ چیز اس نے بنائی
تھی۔ یعنی کیوپڈ، کمان اور تیر - !
کیوپڈ کی شکل ہی میں میں نے اپنی مشابہت دیکھی اور پھر وہیں کھڑا
ہو گیا - -"

"یہ کیا بنا رہی ہیں آپ۔؟

"جی۔" وہ چونک گئی۔

"میں پوچھ رہا ہوں آپ نے یہ کیا بنایا ہے۔؟

"ایسی تصویر جس میں حقیقت زیادہ ہے اور افسانہ کم۔"

"مگر یہ حقیقت کھوکھلی ہے اوشا۔ اسے رکھ دو اور اپنا کام کرو۔"

وہ پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔ اسے یقین نہ تھا کہ میں اتنا تلخ جواب دوں گا۔ دوسرا کام کرنے کی بجائے وہ اپنی چیزیں اٹھا کر چپ چاپ باہر نکل گئی۔ اس نے اجازت کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ میں خواہ مخواہ ایک ذہنی خلجان میں مبتلا ہو گیا۔ کالج میں وہ مجھ سے بار بار ملی۔ مگر جب بھی ملی ایک تغافل کے ساتھ الگ کٹ گئی۔ راستہ ایک ہوتا تو وہ دانستہ دوسری طرف ہو جاتی۔ شاید وہ خود کو ناراض ظاہر کر کے میرے دل میں سوئے ہوئے جذبے کو جگانا چاہتی تھی۔! وہ چاہتی تھی کہ میں اس سے اس ناراضی کا سبب پوچھوں۔ اس گستاخی کا سبب پوچھوں کہ کیوں وہ بغیر اجازت کلاس روم سے باہر چلی گئی تھی؟۔

مگر تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو ناہید۔ میں اتنی ہلکی بات کسی صورت سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ کچھ دن بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ پھر میرے قریب آنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مگر ہے گم سم سی۔ خاموشی سے آتی ہے اور بغیر کسی سے گفتگو کئے چلی جاتی ہے۔ میں ڈرنے لگا۔ یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ اور وہ طوفان

آخر ایک دن آ ہی گیا۔

کلاس روم میں کوئی نہ تھا، میں اپنے خالی وقت میں ڈوبتے ہوئے سورج کے ایک منظر کو کینوس پر اتار رہا تھا کہ اچانک میرے گالوں پر کسی کا گرم گرم سانس چھونے لگا۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہی تھی آنکھوں میں شرارت لئے شوخی سے مسکرا رہی تھی۔

"کیا بات ہے۔ کچھ پوچھنا ہے۔؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"جی نہیں۔ کچھ کہنا ہے۔؟"

"کہو۔"

"میں اس منظر کی تعریف کرنا چاہتی ہوں۔ کتنا حسین منظر ہے؟ یوں لگتا ہے جیسے سورج کسی سے ناراض ہو کر پہاڑوں کے پیچھے روپوش ہونا جا رہا ہے۔ آپ بڑی اچھی تصویریں بناتے ہیں۔"

"ہوں۔"

"آپ مجھ سے ناراض ہیں ساجد صاحب۔!"

"نہیں۔"

"پھر آپ اتنے خاموش کیوں ہیں؟"

"میں تو خاموش نہیں ہوں۔"

"سب لڑکیاں کہتی ہیں کہ آپ مغرور ہیں۔"

"مغرور نہیں۔ مجبور ہوں اوشا۔"

"کیا مجبوری ہے۔؟"

میں اسے کیا بتاتا ناہید کہ کیا مجبوری ہے۔ پھر بھی میں نے جواب دیا۔

"میں دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں۔؟"

"اس لئے کہ دنیا کو اب میری ضرورت نہیں۔"

"مگر ایک ہستی ایسی ہے جسے آپ کی ضرورت ہے۔"

"کون ہے۔؟" میرا حلق سوکھ گیا۔

"میں۔"

اتنا کہہ کر اس نے اچانک میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوشا۔!" میں بوکھلا گیا۔

"ہاں ساجد صاحب۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ آپ میرے خزاں رسیدہ چمن میں بہار بن کر آئے ہیں۔ آپ ہمیشہ سے میرے خوابوں میں بسے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے بغیر کس طرح خوش رہ سکتی ہوں، کبھی آپ نے سوچا ہے۔؟

"لیکن اوشا، میں یہ باتیں پسند نہیں کرتا۔"

"مگر میں پسند کرتی ہوں۔ مجھے اب کسی کا ڈر نہیں۔ میں بدنامی سے بھی نہیں ڈرتی۔ مجھے تو صرف آپ کی محبت چاہیے۔"

"میں یہ محبت تمہیں نہیں دے سکتا۔"

"میں جانتی ہوں کہ آپ کا دل چوٹ کھایا ہوا ہے۔ مگر اب اسے مرہم کی ضرورت ہے ساجد صاحب۔ میری محبت آپ کے دل کے خلاء کو پر کر دے گی۔"

"نہیں نہیں۔ اب مجھے کسی کی محبت نہیں چاہئے۔ یہ فریب ہے دھوکا ہے۔"

اتنا کہہ کر میں چیختا ہوا باہر آگیا اور پھر مجھے پتہ نہیں کہ میں کب گھر پہنچا۔ ہوش اس وقت آیا جبکہ میرے بوڑھے نوکر کریم نے میرے قریب آکر کہا۔"

"کیوں زندگی کے پیچھے پڑے ہیں بابو جی۔ ناہید بٹیا اب آپ کو نہیں ملیں گی۔"

"کریم۔" میری آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی نکلی۔"

"ہاں بابو جی۔ کیوں اپنی جان رو رو کر ہلکان کرتے ہیں۔؟"

وہ تو چلا گیا اور میں نے پھر اپنی حالت کا معائنہ کیا۔ میں آتش دان پر لگی ہوئی تمہاری تصویر کو دونوں ہاتھوں سے تھامے ہوئے رو رہا تھا۔ تم شاید میری بے بسی کا تصور کر کے قہقہے لگاؤ۔ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی تمہارا خیال آتے ہی آنکھوں میں آنسو کیوں آ جاتے ہیں۔ تمہارے مغائرانہ برتاؤ کے باوجود بھی میں تمہاری تصویر کے سامنے سجدہ ریز کیوں ہوں۔ تمہارے دور چلے جانے کے بعد بھی تم میرے دل سے اتنی قریب کیوں ہو ناہید۔ یہ تم نہیں بلکہ کوئی دل والا ہی بتا سکے گا۔

اور تمہارے پاس اب دل نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو وہ میری بے بضاعتی پر ضرور پسیج جاتا۔!

ہو سکتا ہے کہ تمہیں یہ بات بری لگی ہو۔ لیکن واقعات کی ناسازگاری تمہاری بے التفاتی اور میری بدقسمتی نے مجھے ایسا سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اوشا کی بات سنانے سے میرا مطلب محض اتنا تھا کہ میں جو دل کے داغوں کو ہاتھوں سے چھپائے بیٹھا تھا، اوشا کے ذرا سے التفات سے پھر لڑکھڑا گیا ہوں۔ تمہاری یاد بری طرح ستا رہی ہے۔ حالانکہ میری خواہش ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔"

جب تم نے اپنی محبت مجھ سے چھین لی ہے تو اپنی یادوں کو بھی مجھ سے دور کر دو۔"

مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔؟

تمہاری یاد تو ایک چمکتا ہوا سورج ہے۔ اگر کوئی سورج تک پہنچ کر اس کی تابانی کم کرنے کے لئے وقت کا ایک گہرا پردہ اس پر ڈال دے تو کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ نورانی کرنیں ضرور پھوٹیں گی۔ بس تو یہی حال ہے میرا بھی۔ جتنا تمہیں بھلانے کی کوشش کرتا ہوں۔ تمہاری یاد کی شمعیں اتنی ہی فروزاں ہوتی جاتی ہیں۔

آج دراصل ضبط کی دھجیاں اڑ گئی ہیں ناہید۔ اختر کے خط نے مجھ پر بڑا غضب ڈھایا ہے۔ آج میری راسخ الارادی کے بند حصن ٹوٹ گئے۔ سوچا تھا کہ اب کبھی تمہارا نام زبان پر نہ لاؤں گا۔ مگر آج میری ثابت قدمی کو لغزش ہونے لگی ہے۔ آج میں جذبات سے شکست کھا گیا میری خودداری نے بری طرح مات کھائی ہے۔ میرے بلند ارادے۔

چٹان کی طرح مضبوط حوصلے چند لمحوں میں موم کی طرح پگھل گئے۔ میں حیران ہوں کہ ایسا کیوں ہوا۔؟"

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ جواب طلب کرنے کے لئے جب میں نے تمہاری تصویر کو بغور دیکھا تو دل تڑپ اٹھا۔ نہ جانے دل میں کیا آئی کہ میں نے تمہاری اس بے جان شبیہہ کو بے اختیار اپنے سینے سے لگا لیا ہے۔ تمہاری تصویر پر خاک جمی ہوئی تھی جو میرے حقیر سے آنسوؤں نے دھو دی ہے۔ میرا دل دھڑکنے لگا ہے۔ اور مجھ پر ایک کپکپی سی طاری ہو گئی ہے۔ تمہارے اس ساکت و سامت حسین نقش نے مجھے کافی تسکین پہنچائی ہے۔"

اور ہاں ناہید۔! تم یہ سن کر ناراض تو نہیں ہوئیں کہ میں نے تمہاری تصویر کو اپنے دل کی دھڑکنوں میں سمونا چاہا تھا۔؟

میں اب بہکنے لگا ہوں۔ لیکن اس میں قصور میرا نہیں ہے۔ تمہارے برتاؤ اور تمہارے نازیبا تغافل نے ہی میرے ذہن کے تاروں کو علیحدہ کر دیا ہے۔ میں اب کچھ نہیں جانتا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا سوچ رہا۔ میں تم سے التجا کر رہا ہوں کہ اپنی تفنن طبع کی خاطر وہ سب کچھ پڑھ لینا جو میں آگے چل کر تحریر کروں گا۔ اسے تضیع اوقات مت سمجھنا۔ میں اپنا دل نکال کر کاغذ پر رکھ رہا ہوں۔ یہ جو کچھ بھی میں لکھوں گا وہ ایک حد تک میری دیوانگی سے متعلق ہے۔ بازیٔ الفت میں مات کھانے کی ایک داستان ہے جس میں جگہ جگہ تم کو مجھ جیسے احمق کی بے تکی باتوں سے کوفت ہونے لگے گی۔ لیکن

میری خاطر تم اسے پڑھنا ضرور۔ سمجھ لینا کہ کوئی فرضی قصہ پڑھ رہی ہوں۔ یا پھر شہزادے شہزادی کی کوئی من گھڑت داستان!

ارمانوں کی دنیا کے ایک غمزدہ شہزادے کا ایک دُرِّ بے بہا کی تلاش میں سالوں سرگرداں پھرنا۔ اس تک پہنچ جانا اور پھر دور ہو جانا۔ اس عرصے میں کتنی صعوبتیں جھیلنا اور کتنے ہی دکھ برداشت کرنا۔!

کتنی عجیب ہے۔ یہ داستان۔!

میری چار سالہ معصوم محبت آج پہلی بار تمہیں مخاطب کر رہی ہے۔ یہ ننھی سی کلی، میرے گلشن دل میں گزشتہ چار سال سے کھل رہی ہے۔ اور یہ کوئی شگفتہ کلی نہیں۔ مرجھائی ہوئی سی پژمردہ کلی ہے۔ تمہاری پیہم بے اعتنائیوں کی شکار۔ اسی لئے تمہارے تغافل کی ہوا پا کر یہ کبھی کھل کر پھول نہ بن سکی۔ تم سوچ رہی ہو گی کہ آخر مجھے اتنی طویل داستان لکھنے سے حاصل۔؟ جو باتیں تمہیں خود معلوم ہیں انہیں دہرانے سے کیا فائدہ۔؟ بات تو ایک حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن اس طرح میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائیگا راز سینے میں دفن کرنے کی کوشش تو بہت کی تھی میں نے۔ مگر میرا سینہ پھٹنے لگا تھا۔ دوسروں پر یہ راز آشکارا کرنے کے دو فائدے ہوں گے۔ میری بیتابی بھی کم ہو جائے گی اور دوسرے محبت اور اس کے ہولناک انجام سے باخبر ہو کر شاید ایسی غلطی نہیں کریں گے جو میں نے کی ہے۔!

جب سے تم نے میرے ہاتھ سے اپنا دامن چھڑا لیا ہے۔ یہ پہلا موقع

ہے کہ میں تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ خطوط تو میں نے تمہیں ہزاروں لکھے اور تم نے ان کے جواب بھی دیے، مگر ان خطوط کا جو حشر ہوا وہ تو تمہیں معلوم ہی ہے۔ میں شاید آگے چل کر ان کے بارے میں لکھوں گا بھی۔ مگر اس وقت جو میری حالت ہے اسے تحریر کرنا چاہتا ہوں اس لیے تحریر کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم اندازہ لگالو کہ تم سے جدا ہونے کے بعد میں اپنی زندگی ہنسی خوشی نہیں گذار رہا۔ بلکہ اندر ہی اندر دل کو ایک روگ سا لگ گیا ہے۔ اور شاید میری محبت کے ساتھ ساتھ میری زندگی کا انجام بھی نزدیک ہی ہے!

ناہید۔ یقین کرنا۔ میں اس وقت بخار میں تپ رہا ہوں۔ خدا جانے کتنے ڈگری ہے؟۔ ڈاکٹر تک جانے کی مجھ میں ہمت نہیں اور پھر ڈاکٹر کر بھی کیا لے گا۔ مسیحائی تو کرنے سے رہا۔ تم ہوتیں تو تمہیں دیکھتے ہی یہ بخار کم ہو جاتا۔ مسیحا کی عدم موجودگی میں یہ ڈگری یافتہ ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکتے میری رگ رگ میں اس وقت ایک گرم رو سرعت سے دوڑ رہی ہے۔ میری پلکیں جل رہی ہیں۔ لیکن میں تمہاری تصویر کو اس وقت اپنے سینے پر کھڑا کیے لیٹا ہوں۔

تمہاری حسین و جمیل تصویر جو میری زندگی کا واحد سہارا ہے۔!

یہ تمہاری وہی تصویر تو ہے جو میں نے تمہاری ناراضی کے باوجود کبھی تم سے لے لی تھی۔ تمہاری برہمی، تمہاری تنی ہوئی ابروئیں اور غصے کے باعث انگارہ چہرہ۔ مجھے سب یاد ہے، ایک ایک بات یاد

ہے۔ میں خود کو کتنا بذلہ سنج اور شوخ سمجھتا تھا، مگر میری یہ شوخی تمہاری ایک نگاہ مبہم کے آگے دھری کی دھری رہ گئی۔ وہ تو میری ہٹ دھرمی تھی کہ میں نے تصویر زبردستی ہتھیالی۔ ورنہ تم اسے مجھے کبھی نہ دیتیں۔

یہ تمہاری وہی تصویر ہے جو آج سے دو سال پہلے بھی اسی آتشدان پر موجود تھی۔ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ لیکن میں نے کبھی جی بھر کے اسے نہ دیکھا۔ میں اس سے نظریں ملاتے ہوئے ڈرتا رہا۔ میں نے تمہاری تصویر کی مسکراہٹ کا جواب ہمیشہ نظریں چُرا کر دیا۔ میں ہمیشہ اس سے کترا کر نکل گیا۔ اس سے یہ مت سمجھنا کہ میرے دل میں تمہاری کوئی وقعت نہیں رہی تھی۔؟

نہیں ناہید!۔ یہ بات نہیں، میں دراصل تمہیں بھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر جیسا کہ تم پہلے پڑھ آئی ہو یا جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں اس میں کامیاب ہو سکا ہوں نہ کبھی ہوں گا۔ تمہاری محبت میرے دل کے چمن میں ہمیشہ ایک پھول بن کر لہلہاتی رہے گی۔ تمہارے لئے یہ بے حقیقت سہی، لیکن میرے لئے سب کچھ ہے۔ بہت کچھ کھو کر میں نے اسے پایا ہے۔ درد والم گو اس کی خوشبو ہیں، لیکن میں اسے سینچ رہا ہوں کہ یہی ایک سہارا ہے میرے مستقبل کا اور میری بے نام زندگی کا۔ مجھے اس پر فخر ہے۔

ہونا چاہئے نا۔؟

یہ تو تم بھی جانتی ہو گی ناہید کہ مجھے تم سے بے لوث محبت ہے۔ پاک اور سچی محبت!۔ چاہے تم اقرار کرو یا نہ کرو۔ لیکن مجھے یقین

ہے کہ ایسا ضرور ہو گا اور تمہارے دل میں بھی میرا کچھ نہ کچھ خیال لازمی ہو گا کیونکہ شمع پر جب پروانہ نثار ہوتا ہے تو شمع کی لو ضرور کپکپاتی ہے۔ تمہاری محبت تمہارے تغافل کی اوٹ سے مجھے جھانکتی رہی۔ میں اتنا بے وقوف رہا کہ کبھی صحیح اندازہ نہ لگا سکا۔ اور شاید یہی باعث ہے کہ میں نے عشق کی بازی میں بری طرح مات کھائی ہے۔

آج میں تمہیں اور تمہارے ساتھ ہی اس داستان کے پڑھنیوالوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ محبت کا یہ خاردار پودا کس طرح میرے دل میں پروان چڑھا؟ تم اپنے رازوں سے باخبر ہو تو ہو لیکن میری دلی حالت سے واقف نہیں ہو سکتیں۔ اور میرے دل کی جو حالت ہے وہ تمہیں ان سطور کے پڑھنے سے معلوم ہو رہی ہو گی۔ یہ کہانی بڑی عجیب ہے۔ حیران کن ہے۔ اور شاید تم اسے پڑھنے کے دوران میری ان گنت حماقتوں پر مسکرانے بھی جاؤ۔!

میں بھی یہی چاہتا ہوں۔

خدا کرے تم ہمیشہ مسکراتی رہو۔ تمہاری زندگی میں بہاریں ہی بہاریں آئیں اور تم خزاں کا منہ تک نہ دیکھو یہ میری دلی آرزو ہے!

تیرے غم کو دل سے بھلا تو دوں مگر اس خیال کو کیا کہوں
کہ یہی متاعِ حیات ہے یہی عمر بھر کی تلاش ہے

جبکہ میں محبت کے نام سے آشنا بھی نہ تھا اور جبکہ میرے لاشعور میں یہ جذبہ کارفرما بھی نہ تھا۔ میں تمہاری حسین وجمیل تصویر سے ملا۔ تمہارے بھائی اختر کے ساتھ آج سے سالوں پہلے میں گورنمنٹ اسکول میں پڑھتا تھا۔ میری عمر اتنی زیادہ نہ تھی۔ مجھے بالکل معلوم نہ تھا کہ محبت کیا ہوتی ہے اور عشق کسے کہتے ہیں۔ بچپن ہی سے میں مصوری کا دلدادہ تھا اس لئے تمہیں فطرت کا ایک حسین شاہکار سمجھ کر میں نے جی بھر کر دیکھا تھا۔

اختر کے ساتھ میری بے تکلفی روز بروز بڑھتی ہی گئی اور رفتہ رفتہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر جانے لگا۔ ان دنوں اختر تعلیم کی خاطر دلی میں اپنی خالہ کے ہاں مقیم تھا۔ اور وہیں اس کے کمرے میں میں نے ایک دن تمہاری تصویر کو جی بھر کر دیکھا اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ میں نے تمہاری

تصویر میں وہ خوبیاں پائیں جو ایک حسین تصویر میں ہو سکتی تھیں۔ اور میرے دل کو یہ خوبیاں بھا گئیں۔

تمہاری تصویر اختر کی البم میں لگی ہوئی تھی۔ اوراق پلٹتے پلٹتے میری نظر وہیں جم کر رہ گئی۔ تمہاری عمر اس وقت کوئی نو سال کی ہوگی۔ تمہارے چہرے پر فرشتوں کا سا تقدس تھا۔ اور حوروں کی سی معصومیت اور خوبصورتی تھی۔ ایسا سحر خیز حسن تھا کہ میں اپنی نظر تمہاری تصویر سے ہٹا نہ سکا۔ تم نے باریک دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا اور تمہارے ریشمی بالوں کو ایک ربن نے اپنے حلقے میں لے رکھا تھا۔ خدا جانے وہ ربن۔ وہ دوپٹہ اور وہ جمپر کس رنگ کے تھے ؟۔ مگر میں نے اپنے تخیل کا سہارا لے کر ان میں رنگ بھر دئیے تھے۔ اور ان رنگوں کی یکجائی سے تمہارا حسن اور نکھر گیا۔ اختر میرے سامنے بیٹھا تھا۔ مگر میں اس کی موجودگی سے بے خبر تمہاری تصویر کو تکے جا رہا تھا۔ ایک بار جب اختر نے دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھا تو میں نے گھبرا کر ورق پلٹ دیا۔ مگر کچھ ہی دیر بعد جب دل نہ مانا تو البم کو پھر شروع سے دیکھنے لگا۔ ظاہر ہے کہ تمہاری تصویر کو پھر آنا تھا۔ اس لئے تصویر کو اختر کی نظر بچا کر میں نے پھر دیکھنا شروع کر دیا۔ تم میرے دل میں بسنے لگیں۔ اور میرا دل تمہیں بار بار دیکھنے کے لئے اکسانے لگا۔ مگر جتنی بار تمہیں دیکھتا اتنی ہی تشنگی بڑھتی۔!

اس وقت میں بالکل نہیں جانتا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے۔؟ اور یہ کون سا جذبہ ہے ، جس نے میرے ہوش و حواس

کھو دیئے ہیں۔!

اختر کے سامنے بیٹھ کر ہی میں ایک مذموم فعل کا مرتکب ہو رہا تھا۔ مگر مجھے اپنے اس فعل پر حیرانی اس لئے نہیں ہوئی کہ میں ہمیشہ سے آرٹ کا دلدادہ ہوں۔ حسین شاہکار مجھے پسند ہیں اور ہر خوبصورت شے میری توجہ اپنی طرف خود بخود مبذول کرا لیتی ہے۔

اور تم آرٹ کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔!

میں تقریباً ہر روز اِسی صرف تمہاری تصویر دیکھنے کی خاطر اختر کے گھر جانے لگا۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں بٹھا کر اگر اندر چلا جاتا تو پھر میں ڈرتے ڈرتے اس کی البم اٹھا لیتا۔ جلدی جلدی وہ سیاہ ورق نکالتا جس پر تم مثل چاند چمک رہی تھیں۔ تمہیں جی بھر کر دیکھتا اور ساتھ ہی ادھر اُدھر دیکھتا بھی جاتا کہ کہیں کوئی آنہ جائے۔ میرا دل اس چوری پر دھک دھک کر رہا ہوتا۔ اختر کے قدموں کی چاپ سنتے ہی میں فوراً ہی وہ البم اس کی جگہ پر رکھ دیتا۔ اختر سے باتوں کے دوران کبھی میرا طائر خیال تمہارے ارد گرد پرواز کر رہا ہوتا۔ اختر جب اپنے سوالوں کا جواب نہ پاتا تو مجھ سے پوچھتا۔

"امان کیا بات ہے۔ تم خاموش کیوں ہو۔؟

"نہیں تو۔"

"نہیں تو کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ جب کبھی تم یہاں آتے ہو، افسردہ

سے ہو جاتے ہو۔،،

"غلط بات ہے۔ ایسا کہاں ہوتا ہے۔،،

"تم مانو یا نہ مانو۔ بات ایسی ہی ہے۔،،

میں مسکرا کر چپ ہو جاتا۔ اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔؟

اختر کی نظریں بچا کر ایک دن میں نے وہ تصویر اس کی البم میں سے اڑا لی۔ ایسا لگتا تھا گویا کوئی بہت ہی سنگین جرم کر رہا ہوں۔ گھر پہنچتے ہی میں نے اپنا کمرہ ہر طرف سے بند کر لیا اور پھر اس تصویر کو ایک سفید گتّے پر چپکایا اس کے بعد گتّے پر بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد خوبصورت سے نقش ونگار بنائے اور عجیب سے بیل بوٹوں سے تمہاری تصویر کو چاروں طرف سے مزیّن کیا۔ اپنے طور پر بڑی آرائش و زیبائش کی لیکن کوئی دوسرا دیکھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا گویا کسی مصوّر نے زائد رنگ اپنے برش سے کاغذ پر جھٹک دیا ہو! لیکن میں نے اپنے نزدیک وہ سب فن اس گتّے پر صرف کر دیا تھا جو اس عمر تک میں نے سیکھا تھا۔ گتّے کو ایک دلکش فریم میں لگانے کے بعد میں نے یہ فریم اپنی الماری میں خوبصورتی سے سجا کر تالا لگا دیا۔

یعنی ایک طرح سے تمہیں سب کی نظر لگنے سے بچا دیا۔!

اور پھر جانتی ہو ناہید کہ میرا روز کا معمول کیا ہو گیا۔؟ اب سوچتا ہوں تو اپنی حماقت پر ہنسی آتی ہے!۔ باغیچے میں سے تازہ بہ تازہ اور نوع بہ نوع شگفتہ پھول توڑ کر میں انھیں اپنی محبت کی اس دیوی کے سامنے چن دیتا اور نذر دں

ہی نظروں میں اسے پوجتا رہتا۔ میری کتابوں کی الماری ایک معبد بن گئی۔ ایک ایسا مندر جس میں میں نے خدائے حسن کو بٹھا رکھا تھا۔!

اور میں اس مندر کا واحد پجاری تھا جو روزانہ علی الصبح اٹھ کر اس پر عقیدت کے پھول چڑھاتا تھا۔!

نزنا ہید۔ یہ تھی ابتدا میرے جنون کی۔ یہیں سے میں نے وہ دولت پائی۔ جو لازوال ہے۔ پندرہ سال کی عمر میں محبت جیسے پاکیزہ جذبے کا دل میں کارفرما ہو جانا تمہارے نزدیک بیشک فرزانگی نہیں۔ لیکن ایسا ہوا تھا۔ تمہیں خود اس حقیقت کا علم ہوگا۔!

اب مجھے ہر وقت ایک ہی دھن سوار رہنے لگی اور میں نے اس دیوی کی پوجا کو اپنا شعار بنا لیا۔ اسکول جانے سے پہلے۔ اسکول سے آکر اور چھٹی کے روز تمام دن میں اسے بار بار دیکھا کرتا تھا۔ کسی دن نہ دیکھتا تو میرا پورا دن اس طرح گزرتا جیسے جہنم میں گزر رہا ہو۔ کچھ عرصے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل میں ٹیسیں سی اٹھنے لگی ہیں۔ دل بار بار گھٹنے لگتا ہے اور سینے میں ایک کسک سی ہے۔ میری رگ رگ میں ایک عجیب سا نشہ سرایت کر گیا ہے۔ دل میں ایک لذت آمیز جلن محسوس ہو رہی ہے۔۔ درد جو سینے میں اٹھ رہا ہے کتنا میٹھا لگتا ہے۔! میں درد کی اس حلاوت سے ان دنوں نا آشنا تھا۔ محبت کی خطرناک ڈگر پر میں تیز رفتاری سے بڑھتا ہی گیا۔ بغیر کچھ سوچے سمجھے اور بغیر جانے بوجھے۔!

مگر میری منزل بہت دور تھی۔ راہ کٹھن تھی اور مسافر ناتجربہ کار۔!

یہ وہ زمانہ تھا جب میں آج کی طرح درماندہ نہ تھا۔ میں بلند قہقہے لگاتا تھا۔ میرے قہقہوں میں جان ہوتی تھی اور یہ آج کی مانند کھوکھلے نہ ہوتے تھے۔ لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور شرارت میں تب کوئی میرے ہم پلہ نہ تھا۔ دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح کو بھی خوب جاتا تھا اور خوب چہلیں کرتا تھا۔ لیکن کالج میں داخلہ لینے کے بعد دل میں پیوست شدہ ایک تیز اور نوکیلا کانٹا جب ہر دم کھٹکنے لگا تو میرے قہقہوں نے دم توڑ دیا۔ میری مسکراہٹیں کہیں کھو گئیں۔ میرے ارمان زندہ درگور ہو گئے۔ بے کیفی نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور رنج و الم کے بادل مجھ پر سایہ فگن ہو گئے پھر میں نے کبھی چہلیں نہ کیں۔ کبھی قہقہے نہ لگائے اور کبھی تفریح نہ کی۔

اور یہ سب تبدیلی محض تمہاری تصویر کی پوجا کرنے کے عوض ہوئی تھی۔!"

چند دنوں بعد ہی مجھے یہ دھن سوار ہو گئی کہ کسی طرح سے تمہارا نام معلوم کروں۔ لیکن اختر سے ڈرتا تھا۔ کس طرح اس سے تمہارا نام معلوم کرتا۔ کیا یہ معیوب نہ تھا کہ اس سے ایک دن پکڑ کر پوچھ لوں کہ اس گل رعنا کا نام کیا ہے جو میرے باغ حیات میں نیا نیا کھلا ہے۔؟ کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ تمہاری تصویر کو میں کیا کہہ کر مخاطب کروں، عرصے تک یہی سوچتا رہا۔

لیکن ایک حادثے نے میری یہ مشکل بھی آسان کر دی۔

سالانہ امتحان شروع ہو گئے تھے۔ میں اور اختر روزانہ باغ میں جاکر گھنٹوں طوطے کی طرح کتابیں رٹتے تھے۔ اختر روزانہ ہمارے گھر آجاتا تھا۔ اور کافی دیر تک میرے ساتھ پڑھتا رہتا تھا۔ جب ہم گھر میں پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو باغ میں جا بیٹھتے۔ کیونکہ باغ گھر سے کافی نزدیک تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میں جبکہ اپنی الماری میں سے کتابیں نکال رہا تھا اختر چپکے سے میری پشت پر آکر کھڑا ہو گیا۔ مجھے مطلق معلوم نہ ہو سکا کہ وہ میرے پیچھے کھڑا ہوا ہے۔! جب میں تمہاری تصویر کے آگے پڑے ہوئے چند مرجھائے ہوئے پھول نیچے پھینکنے کے بعد کتابیں ہاتھ میں لے کر پیچھے مڑا تو اختر کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ!

جیسے میرا دم نکل گیا۔!

کتابیں اچانک زمین پر گر پڑیں۔ میری گردن شرم سے جھک گئی اور میری نظریں زمین میں پناہ ڈھونڈنے کے لئے تڑپنے لگیں۔ جی چاہتا تھا کہ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ اختر اسی طرح مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے مجھے شرمندگی کے احساس سے مغلوب پایا تو مسکراتے ہوئے میرے قریب آیا اور پھر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"کیا ہوا۔؟"

میں اب بھی چپ تھا۔!

"اماں بتاؤ نا آخر کیا بات ہے؟"

خوف کے مارے میں لرز رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اختر نے پھر کہا۔

"ہمیں تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ چوری تم نے کی ہے۔ تم اس دن چھپ چھپ کر بار بار اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔ ٹھیک ہے نا؟"

"میں بہت برا ہوں اختر۔" میں نے کہا بھی تو صرف اتنا ہی۔

"آپ پاگل ہیں۔ بھلے آدمی تم اتنے پشیمان کیوں ہو۔؟ بھائی میں نے قطعی برا نہیں مانا۔"

میری جان میں جان آئی۔ الماری بند کر کے میں پھر کرسی پر آ کر بیٹھ گیا مگر اس نے الماری دوبارہ کھول کر اس میں سے تمہاری تصویر نکال لی اور پھر اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوہو! بڑے نقش و نگار بنائے ہیں تم نے۔ ایسا لگتا ہے گویا پورا فن مصوری تم نے اس پر صرف کر دیا ہے۔ ہاں کبھی جو جی میں آئے کرو۔ نقش و نگار بناؤ چاہے ہیرے جواہرات جڑ دو۔ طیش تو اپنی تقدیر پر آتا ہے کہ ہم نے ہزاروں مرتبہ تو ضرور کہا ہو گا کہ ہماری ڈرائینگ کی کاپی پر ایک بے ڈھنگا سا پیالہ ہی بنا دو۔ مگر تم نے سنا ہی نہیں۔ ہمیں ڈر انگے آتی تو تمہاری اتنی خوشامد کبھی نہیں کرتے۔!"

اسی طرح اختر نہ جانے کیا کیا بکتا رہا اور جب اس نے مجھ سے رازدارانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"کیا تمہیں یہ تصویر اچھی لگی ہے۔؟"

تو میں اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور جواب میں اس نے میری کمر پہ زور سے ایک گھونسہ جما دیا۔"

"کیا اچھا لگا ہے تمہیں اس تصویر ہیں۔؟" اس نے پھر پوچھا۔

"پوری تصویر پسند ہے مجھے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"خوب۔ مگر تم مجھ سے پوچھو گے نہیں کہ یہ کون ہے اور کہاں رہتی ہے۔؟

"بتا دو نہ۔"

"دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں لیکن بات کرتے ہوئے دم نکلتا ہے۔"

میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے کہنا شروع کیا۔

"یہ ہمارے محلے میں رہتی ہے۔ اس کا نام ناہید ہے۔ بہت ہی پیاری لڑکی ہے۔ اسے خود بھی مصوری سے بہت لگاؤ ہے۔ ہر وقت بیٹھی تصویریں بناتی رہتی ہے۔ کافی اچھی تصویریں بنا لیتی ہے۔"

"اچھا۔؟" یہ سن کر مجھے بہت مسرت ہوئی۔

اختر تمہاری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملاتا رہا اور میں خاموشی سے سنتا رہا۔"

اختر کا میں کسی صورت سے شکریہ ادا نہیں کر سکتا کہ اس نے میرا دل نہ توڑنے کے خیال سے مجھ سے جھوٹ بولا۔ اور اختر ہی اس سلسلے میں مورد الزام ہے کہ اس نے اپنے جھوٹ سے میری محبت کو جلا دی۔ اگر وہ یہ جھوٹ نہ بولتا تو یقیناً میں محتاط ہو جاتا۔ اسی جھوٹ کے طفیل میں نے بعد میں اپنی زندگی کے کئی سال بغیر کسی خدشے اور ڈر کے بسر کر لئے۔ یہ تو مجھے دو سال بعد معلوم ہوا کہ تم اس کی بھانجی ہو اور تمہارا نام ناہید

ہی ہے۔ تمہارا نام اختر نے مجھے بالکل ٹھیک بتایا تھا۔ لیکن جو قربانی اس نے میرے لئے دی وہ مجھے تازیست یاد رہے گی۔ وہ مجھے واقعی بہت چاہتا ہے وہ میرا ہمدرد ہے۔ اس نے اس ڈر سے مبادا اصلیت جان کر مجھے صدمہ ہو مجھ سے جھوٹ بولا۔ اور اسی جھوٹ نے میری ہمت بڑھادی۔ ورنہ محبت کی خطرناک شاہراہ پر میں تیز گامی اختیار نہ کر سکتا تھا۔

اب ہوا یہ کہ اختر کے سامنے ہی میں تمہاری پرستش کرنے لگا۔ پہلے جو خوف اور ڈر میرے دل میں تھا اب وہ ایک حد تک دور ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اس کی موجودگی میں تمہارے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مجھے کوئی جھجک نہ ہوتی تھی۔ کئی کئی منٹ تک نظریں گاڑے میں تصویر کو دیکھتا رہتا لیکن اختر کچھ نہ کہتا۔ بس مسکراتا رہتا۔

وہ یقیناً میری حماقتوں پر مسکراتا ہوگا۔!

دن ہوا کی طرح گزرتے رہے۔ اور ایک سال اس طرح بیت گیا۔ جیسے دو منٹ گزرے ہوں۔ ان دو سالوں میں میری معصوم محبت اور مستحکم ہو گئی اور نہ جانے میں نے اپنے دل میں کتنی آرزوؤں۔ کتنی تمناؤں اور کتنی امیدوں کی شمعیں جلائیں۔؟

یہ شمعیں اب تک فروزاں ہیں۔!

اور یہ اسی وقت گل ہوں گی جبکہ میرا قصر حیات پل جھپکنے میں حوادث کے طوفانوں کی نذر ہو جائے گا۔ یاس و ناامیدی نے میری تخلیق

کر دہ ایک خیالی مگر نہایت بلند عمارت ڈھا تو دی ہے ۔ مگر آثار ابھی تک باقی ہیں۔ تمہاری محبت جس طرح میرے دل کی بنیادوں میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ بالکل اسی طرح ۔

پہلے میری خواہش تھی کہ کاش ایسا کبھی نہ ہو۔ اس طرح میرا شکستہ دل بالکل چور چور ہو جائے گا۔ ایک زندگی کو برباد کر کے تمہارا بگڑے گا تو کچھ نہیں لیکن اس بربادی کی یاد تمہیں بھی خون کے آنسو رلائے گی۔ خواہ تم اس سے کتنا ہی بچو۔ تم چاہتیں تو اس عمارت کو گرنے سے بچا سکتی تھیں جس کے سائے میں میری مجبور زندگی سو گئی پڑی تھی ۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔ تم نے مجھے بربادیوں کے عمیق غار میں ڈھکیل دیا۔ اور اب میں اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہا ہوں۔ میرے پاس روشنی کی ایک ننھی سی کرن بھی تو نہیں ۔ !

اختر نے مجھے ایک دن بتایا کہ تم رائے پور سے دلّی آ رہی ہو۔ یہ نوید جانفزا میں نے دھڑکتے دل سے سنی میرا دل سینے میں مسرت سے تڑپنے لگا۔ میں سوچنے لگا کہ کس قیامت کا ہوگا وہ وقت ؟ جبکہ میرا تم سے سامنا ہوگا۔ میں کس طرح تم سے بات کر سکوں گا۔ میں نے خود کو اس حادثے کے لئے مہینوں سے تیار کرنا شروع کر دیا۔ خواہ مخواہ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس طرح میں تمہارے لئے بے چین رہتا ہوں اسی طرح تم بھی رہتی ہو گی۔ کتنا مضحکہ خیز خیال تھا۔ تم نے مجھے آج تک دیکھا بھی نہ تھا، پھر بھلا تمہارے دل میں میرا خیال کس طرح سما سکتا تھا ۔ !

ان دنوں عجیب پاگل پن کی باتیں سوچی تھیں میں نے۔ میں نے سوچا تھا کہ جب تم آجاؤ گی تو تمہیں ساتھ لے کر دلّی کی سیر کو نکلوں گا۔ تمہیں وہ جگہ دکھاؤں گا جہاں جامع مسجد کے سبک مینارے آسمان سے ہم آغوش ہیں۔ قطب مینار پر چڑھ کر پوری دنیا نظر آتی ہے۔ لال قلعہ اور دوسری عمارتیں بھی دکھاؤنگا جہاں ممتاز محل کے جسم کی عطر بیز خوشبو اب تک لہراتی پھرتی ہے۔ تمہارے لئے بازار سے چند حسین مناظر خرید کر لایا۔ بڑی حسین تصویریں تھیں۔ ان میں وہ سب تھا جو مجھے پسند ہے۔ ان کے علاوہ پھولوں سے مزین کارڈ خرید کر لایا۔ خیال تھا کہ یہ سب تمہیں دوں گا۔ اسی طرح پلاسٹک کی ایک گڑیا اور نقلی موتیوں کا ایک سستا سا ہار۔ میرے بس میں ہوتا ناہید تو یہ سستا ہار کبھی نہ خریدتا۔ بلکہ دنیا جہان کے جواہر تمہارے قدموں میں چُن دینے کے لئے خرید لیتا۔ کائنات کے ستارے تمہاری مانگ میں سجانے کے لئے توڑ لاتا۔ لیکن وہ لڑکا جس کو گھر سے صرف آٹھ آنے جیب خرچ کے بطور ملتے ہوں۔ اپنی یہ خواہش کسی طرح کبھی پوری نہ کر سکتا تھا۔ اس کی ہلکی پھلکی جیب ابھی اس کی اجازت نہ دیتی۔!

اور پھر والدین کا بھی تو ڈر تھا مجھے۔! اگر میں ان سے کہہ دیتا کہ یہ ہار مجھے اس پیاری پیاری لڑکی کے لئے خریدنا ہے جو میرے دل کی دھڑکن بن گئی ہے تو شاید میرا اسکول جانا بھی بند کر دیا جاتا۔ ہمارے ملک کا یہ قدیم دستور ہے کہ والدین یہاں سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں۔ محبت اگر ان سے پوچھ کر کی جائے تب منع کرتے ہیں اور چوری چھپے کی جائے تب بھی اس لئے بھلا کون مجھے عشق جیسی خطرناک بیماری کی آغوش میں دے دیتا۔؟

مگر محبت کا میٹھا میٹھا درد تو میری رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور اس کا علاج اب تقریباً ناممکن تھا۔!

کچھ دن بعد اختر نے مجھے اسکول میں بتایا کہ تم آگئی ہو۔ اس نے مجھے گھر آنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا۔

"اب اگر تمہارا جی چاہے تو خود ہی اس کی ہزاروں تصویریں بنا لینا۔"

"تمہیں اب میں تصویروں کا کیا کروں گا۔؟"

"اپنی البم میں لگانا اور کیا۔؟"

"دیکھا جائے گا۔"

"کل گھر آؤ گے تو تمہاری اس سے ملاقات کرا دوں گا۔"

"کیا ضرورت ہے۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔ اسکول کا ہوم ورک بھی کافی ہے۔"

دراصل میں یہ محض دکھاوے کے لئے پس و پیش کر رہا تھا۔ حالانکہ دل چاہتا تھا کہ کسی غیر معمولی طاقت کے زیر اثر اڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں اور تمہیں مکان سے باہر لا کر تمہاری خاموش پرستش کرنے کے بعد کہوں۔

۔ دیکھو! میں ہوں وہ ناچیز ذرہ جو تمہارے حسن کی لطافتوں میں کھو گیا ہے۔ میں ہوں وہ حقیر سی ہستی جس کے دل میں تمہارا خیال جاگزیں ہو گیا ہے۔ میں ہوں وہ پجاری جس نے تمہیں اپنے من مندر میں بٹھا رکھا ہے اور جو دن رات تمہارے ہی گن گاتا ہے۔"

"کیا سوچ رہے ہو۔؟" اختر نے مجھے چونکا دیا۔

"اچھا میں چلوں گا۔ لیکن میرا مذاق مت اڑوانا۔"

"مذاق کی کیا بات ہے، تم خود ہی حال دل آشکارا کر دینا۔"

"میں ہر معاملے میں بہادر ہوں، مگر اس سلسلے میں سخت بزدل ہوں اختر۔"

"میں جانتا ہوں۔ اسی لئے تمہیں چھیڑ رہا تھا۔"

اختر نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور جب وہ مجھ سے الگ ہوا تو اس نے شام کو اپنے گھر آنے کا مجھ سے وعدہ لے لیا۔ میں ہزاروں خیالات اور ذہن میں تصورات کا ہجوم لئے اپنے گھر آ گیا۔ گھر پہنچتے ہی میں نے تمہاری حسین شبیہ کو بغور دیکھا اور دل میں سوچنے لگا کہ اس ایک سال میں تم پر کتنا نکھار آ گیا ہو گا۔؟ تمہارے حسن کی رعنائیاں کتنی گراں ہو گئی ہوں گی۔ تم اب کیسی ہو گئی ہو گی۔؟

شام کے وقت دل کو قابو میں کر کے میں اختر کے ہاں پہنچا۔ اختر کے کمرے کی دوسری چابی ہر وقت میرے پاس رہتی تھی۔ دیکھا کہ تالا کھلا ہے۔؟ باہر سے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ اختر بول رہا ہے۔ مجھے اطمینان ہوا۔ ورنہ میرے دل کی دھڑکن اس قدر بڑھ گئی تھی کہ مجھے یہی گمان ہو رہا تھا گویا اس بڑھتی ہوئی دھڑکن کو پورا شہر غور سے سن رہا تھا۔!

میں نے ڈرتے ڈرتے دروازے میں قدم رکھا اور جب اندر جھانک کر دیکھا تو دھک سے رہ گیا۔

سامنے تم بیٹھی تھیں ۔ !

میں نے صرف تمہاری ہلکی سی جھلک اور اختر کی مسکراہٹ دیکھی اور پھر گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا ۔

اور پھر لاتعداد سورج میرے سامنے چمکنے لگے ۔ میری آنکھیں تمہاری برق حسن سے اتنی خیرہ ہوئیں کہ میری آنکھوں کے آگے یکایک اندھیرا چھا گیا ۔ اور اس اندھیرے میں صرف تمہاری شبیہہ مجھے روشن نظر آنے لگی ۔ جس سمت بھی میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تم ہی تم نظر آئیں ۔ میں نے جلدی سے دیوار کا سہارا لے لیا ۔ کیونکہ مجھے اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے زمین میں زلزلہ آ گیا ہو ۔ میرے قدم لڑکھڑانے لگے اور میری پیشانی پسینے میں ڈوب گئی ۔ ۔ "

اختر میری حالت کو بھانپ گیا اور اس نے اندر سے آواز دی ۔

" آ جاؤ ساجد ۔ آتے کیوں نہیں ۔ آ جاؤ ۔ ۔ "

اس آواز نے میرے منتشر حواس کو یکجا کیا ۔ میں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دیوار کے ساتھ لگے ہوئے کٹہرے کو پکڑ کر جواب دیا ۔

" ٹھیک ہے " میں یہیں ٹھیک ہوں "

" عجیب آدمی ہو ۔ اماں باہر کس جگہ بیٹھو گے ۔ اندر آؤ نا ۔ ؟ "

" آتا ہوں ۔ ابھی آتا ہوں ۔ ۔ " میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا ۔ لیکن میری یہ آواز عجیب منمنی سی اور ہچکولے کھاتی ہوئی نکلی ۔ جس پر اندر کمرے میں چند نقرئی اور سریلی گھنٹیاں سی فضا میں گونج اٹھیں ۔ ۔

یہ گویا تم نے ہنس کر میرا مذاق اڑایا تھا۔!

دھڑکتے ہوئے دل کو قابو میں کر کے میں آخر کار اندر کمرے میں داخل ہوا۔ تمہیں صرف ایک نظر دیکھا۔ تم بھی مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اور شاید تمہارے لبوں پر تبسم کی ایک ہلکی سی لہر بھی تھی۔ تمہاری نظروں سے ایک برقی رو نکل کر میرے دل میں پیوست ہو گئی اور اس نے یکایک میرے جسم میں ایک آگ سی لگا دی۔ میں جھجل سا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ تم سے کس طرح نظریں ملاؤں۔ آخر اختر نے یہ مشکل آسان کر دی۔

"ساجد اس سے ملو۔ یہ ناہید ہے۔"

اختر مسکرا رہا تھا۔ میں نے ہمت کر کے پھر آنکھیں اٹھا کر تمہیں دیکھا۔ تم مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔ خدا جانے اس وقت تمہارے دل میں کیا کیا خیالات آ رہے تھے!۔ تم نے مجھے دیکھ کر نہ جانے کیا اندازہ لگایا تھا۔ یہ میری تمہاری اولین ملاقات تھی۔ پتہ نہیں یہ ملاقات تمہارے دل پر کون سے نقوش چھوڑ گئی۔ اپنے بارے میں تو اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری حالت ناگفتہ بہ تھی میری قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر کہہ نہیں سکتا تھا۔!

اختر نے ایک مزید ستم یہ کیا کہ وہ جان بوجھ کر کسی کام کا بہانہ کر کے ہم دونوں کو اکیلا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اور مجھے کمرے سے وحشت ہونے لگی۔ در و دیوار سے وحشت ہونے لگی۔ یہاں تک کہ تم سے بھی وحشت ہونے لگی۔ خدا جانے گرمی ہی اتنی تھی یا پھر.. برق حسن کی تپش تھی کہ مجھے پسینہ آ گیا۔ میں بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا

کروں۔ عجیب حالت تھی۔ ایسی حالت تھی کہ میں اسے الفاظ میں بیان کرنے
سے قاصر ہوں۔ شاید تم نے میری اس وحشت اور سراسیمگی کو محسوس کر لیا۔
میز پہ سنگترے رکھے تھے۔ تم نے ایک میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"سنترہ کھائیے۔"

تمہاری آواز میں نے پہلی بار سنی تھی۔ اتنی شیرینی اور اتنی حلاوت تھی
اس میں کہ میں کھو سا گیا۔ اس آواز میں بلبل کے نغموں اور پپیہے کی صداؤں کی
آمیزش تھی۔ جی چاہتا تھا کہ میں تمہاری یہ آواز بار بار سنتا رہوں۔
تمہارے بارے میں اختر سے سنا تھا کہ تم بہت ضدی۔ اکھڑ اور خود سر ہو
تم کسی سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی ہو۔ کسی بات پہ اڑ جاؤ تو اسے منوا کر
ہی چھوڑتی ہو۔ مگر اب جو میں نے تمہیں دیکھا تو محسوس ہوا کہ وہ سب
باتیں غلط ہیں۔ تم بڑے اخلاق سے مجھے سنترہ پیش کر رہی تھیں۔

میں نے ڈرتے ڈرتے سنترہ لے لیا۔ تمہارے اس اخلاق سے
میری ہمت کھل گئی اور پھر میں نے تمہاری نظروں سے چھپ کر تمہیں جی بھر کر
دیکھا۔ کئی مرتبہ میری نظریں تمہاری پُر فسوں آنکھوں سے ٹکرائیں بھی۔ میری
ان نگاہوں میں میرے دل کے تمام ان کہے راز چھلک رہے تھے۔ مجھ سے
زیادہ اب تم سمجھ سکتی ہو کہ میری ان نظروں میں کیا کچھ پنہاں تھا۔؟

میں خاموشی سے سنترہ کھاتا رہا۔ شاید یہ قربت حسن کا باعث تھا
کہ میرے ہاتھوں میں ہلکا سا ارتعاش پیدا ہونے لگا۔ عجیب سی گھبراہٹ تھی
اور اسی گھبراہٹ میں سنترے کی ایک پھانک زمین پہ جا گری۔ اب یہ بیوقوفی

کی انتہا ہے کہ میں نے جھک کر وہ پھانک اٹھالی۔ تم کو دیکھا تو تم حیرت سے مجھے تک رہی تھیں۔"

"کیا آپ یہ مٹی میں لتھڑی ہوئی پھانک کھائیں گے۔! تم نے پوچھا۔

"جی۔ن۔ن۔ نہیں تو۔" میں بوکھلا گیا۔

"پھر آپ نے اسے کیوں اٹھالیا۔؟

کوئی جواب بن نہ پڑا اس لئے میں نے وہ پھانک پھر پھینک دی۔ تم نے ہنس کر کہا۔

"جب اٹھا ہی لی تھی تو پھینک کیوں دی۔ کھا لیتے۔"

یہ سن کر میں شرم سے غرق ہو گیا اور جھینپ مٹانے کے لئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ تم مجھے بغور دیکھ رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد تم نے پوچھا۔

"آپ کا نام ساجد ہی ہے نا۔؟

"ہاں۔"

"اس کے بعد تم نے ایک بچوں کی سی بات کہی۔

"آپ کی ڈھیر ساری تصویریں بھیا کی البم میں لگی ہوئی ہیں۔ بھیا جب نہیں ہوتے تو ہم وہ البم دیکھتے ہیں۔

اور میرا دل چاہا کہ تم سے پوچھ لوں۔"

"کیا میری بھی کوئی تصویر تمہاری الماری میں لگی ہوئی ہے؟ کیا تم نے بھی اس پہ کچھ نقش و نگار بنائے ہیں۔؟

۔ کیا تم بھی اسے چھپ چھپ کر دیکھتی ہو؟ اور روزانہ اس تصویر پر تم

پھولوں کے ہار چڑھاتی ہو یا نہیں۔؟

مگر میں تم سے یہ باتیں پوچھ نہ سکا۔ بس خاموشی سے تمہیں دیکھتا رہا۔

تم اس وقت ہلکے نیلے رنگ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئی تھیں۔ تمہارا خوبصورت چہرہ دوپٹے میں اس طرح دمک رہا تھا گویا نیلے آسمان میں چاند چمک رہا ہو۔ اور کانوں میں پڑے ہوئے چاندی کے حسین آویزے یوں لگ رہے تھے جیسے چاند کے پاس دو ستارے جھول رہے ہوں۔ ہلکے سرخ رنگ کے جمپر اور زرد رنگ کے غرارے میں تم کوئی آسمانی مخلوق نظر آتی تھیں۔ اس پر تمہارا مسکرا کر باتیں کرنا۔ یہ مزید قیامت تھی! ۔ میں نے اندازہ لگایا کہ تم سنجیدہ طبیعت رکھتی ہو۔ ایک حد تک مغرور بھی ہو۔ دوسروں سے اس طرح بات کرتی ہو کہ وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔

یہی باعث ہے ناہید کہ محبت کی منزل تک پہنچنے میں مجھے دیر لگی۔

تمہیں شاید یاد ہو گا کہ میری حالت بعینہ اس شعر جیسی رہی۔

سکوں ہوا تھا ابھی دلشکن جواب سے کچھ

کہ التفات نے پھر کشمکش میں ڈال دیا!

تمہاری طبیعت میں تلون بہت تھا اور یہی وجہ تھی کہ تمہاری متلون مزاجی کے باعث میں تمہارے دل میں بہت عرصے کے بعد جھانک سکا۔ اس عرصے میں مجھے رقیب سے بھی واسطہ پڑا۔ رقیب دراصل میری کم ہمتی اور میرے بزدل ہونے کے باعث پیدا ہوا۔ اگر میں شروع ہی سے تمہیں جان جاتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ محبت کی اس منزل تک پہنچنے میں جو وقت صرف ہوا ہے۔ وہ

نہ ہوتا۔

یہ بات اس وقت کی ہے جب کہ تم شباب کی حدود میں داخل ہو چکی تھیں۔ تب تو تم ایسے تغافل سے کام لیتی تھیں کہ میں کلپ جاتا تھا۔ اور یہ اب کی بات ہے جو میں سنا رہا ہوں۔ تب تم میں بچپن زیادہ تھا۔ میرے ساتھ تم نے جو وقت گزارا۔ جو باتیں کیں وہ دراصل تمہارے بچپن کا تقاضا تھیں۔ جو کچھ میں نے تمہارے طور طریقے دیکھ کر سمجھا۔ اور میں تمہاری طرف سے جس غلط فہمی میں مبتلا ہوا۔ وہ میرا بچپن تھا۔

خیر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم میرے سامنے ایک شان بے نیازی سے بیٹھی تھیں اس وقت شاید تمہیں بھی یہ احساس نہ تھا کہ تم خود کیا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ تم مجھ سے زیادہ سمٹ نہیں رہی تھیں۔ بلکہ ایک طرح سے مجھ پر حاوی تھیں۔ تم سنترہ کھاتی جاتی تھیں اور ساتھ ہی اختر کی البم بھی دیکھتی جاتی تھیں۔ جب تم اس جگہ پہنچیں جہاں تمہاری تصویر چسپاں تھی تو تم چونک گئیں۔ میں نے یہ دیکھ کر پوچھا۔

"کیا ہوا۔؟"

"تعجب ہے! یہاں میری ایک تصویر تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" میں نے آہستہ سے مسکرا کر جواب دیا۔

"کہاں گئی۔؟"

"ایک پاگل لے گیا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"خدا خیر کرے۔ پاگلوں سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے!" تم سچ مچ گھبرا گئی تھیں۔"

"لیکن اس پاگل نے تمہاری تصویر کو بہت احتیاط سے رکھ چھوڑا ہے۔"

"ارے!... مگر وہ ہے کون۔؟"

"اختر کو معلوم ہے۔ اس سے پوچھنا۔" میں نے پھر مسکرا کر کہا۔

پاگل کا ذکر سن کر تم کچھ چپ چپ سی ہو گئیں۔ میں دل ہی دل میں تمہاری اس حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ شاید تمہیں یہ اچھا نہ لگا تھا کہ کسی غیر شخص کے پاس تمہاری تصویر ہو۔

تو یہ تھی میری اور تمہاری پہلی ملاقات۔۔!

اور یہ ملاقات دراصل میری شب و روز دعاؤں کا ثمرہ تھی۔

ہاں ناہید۔ محبت میں تو کیا تقریباً ہر انسان فاتر العقل ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسی ایسی حماقتیں کر بیٹھتا ہے جنہیں دیکھ کر خرد سر پیٹ لیتی ہے اور فراست ماتم کرتی رہ جاتی ہے۔ میں نے بھی ایسی ہی صدہا حماقتیں کی تھیں۔ اب اسے پڑھ کر میرے ساتھ تم بھی ہنسو گی کہ میں ایک نجومی سے بھی رجوع ہوا تھا۔ اسکول جاتے ہوئے راستے میں ان گنت نجومی بیٹھے رہتے تھے۔ روزانہ وہ مجھ سے میری قسمت کا حال بتانے کے لیے اصرار کرتے۔ ایک دن میں نے ان میں سے ایک سے پوچھ ہی لیا۔۔"

میرا ہاتھ دیکھ برہمن مرا یار مجھ سے ملے گا کب

تیرے منہ سے نکلے خدا کرے اسی ماہ میں اسی سال میں

اس نے مجھے بتایا کہ جسے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہوں۔ وہ مجھ سے جلد ہی ملنے والا ہے۔ اور یہ بات سچ ہو گئی۔

تم میرے سامنے بیٹھی تھیں ۔!"

یہ ہماری پہلی ملاقات تھی ۔ بہت کچھ چاہتے ہوئے بھی میں تم سے باتیں نہ کر سکا تمہاری طبیعت کے تلون نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا ۔ میں تم سے ڈرتا رہا ۔ کون جانے میں کیا کہوں اور تم کیا سمجھ کر ناراض ہو جاؤ ! میں تمہیں ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا ۔ میری جنت اگر مجھ سے روٹھ گئی تو کیا ہو گا ۔؟

بڑی دیر تک ہم دونوں خاموش بیٹھے رہے ۔ تم تصویریں دیکھنے میں منہمک رہیں اور میں تمہیں دیکھتے رہنے میں منہمک رہا ۔ کچھ ہی دیر بعد اختر آگیا اور ہم دونوں کو یوں گم سم دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی ۔ کہنے لگا ۔

" تم دونوں بولتے کیوں نہیں ۔؟"

" کافی بول چکے ۔" تم نے کہا " بھیا یہ آپ کے ساجد صاحب تو بڑے عجیب آدمی ہیں ۔ خاک میں لتھڑی ہوئی سنترے کی پھانکیں بہت پسند کرتے ہیں ۔

میں یہ سن کر مسکرایا ۔ جواباً میں نے کہا ۔

" غلط بات ہے ۔ ایسا نہیں ہوا میں نے وہ پھانکیں پھینک دی تھیں "

" ٹھیک ہے ۔ لیکن اگر میں یہاں نہ بیٹھی ہوتی تو آپ ضرور کھا لیتے ۔"

مجھے کوئی جواب بن نہ پڑا اور میں خاموش ہو گیا ۔ اختر کے آجانے کے بعد تم اٹھ کر اندر چلی گئیں اور ہم دونوں اکیلے رہ گئے ۔

" کیوں ۔ کیا خیال ہے ۔؟ اختر نے دریافت کیا " پسند آئی ۔"

" بہت ۔ اختر میں تمہارا ممنون ہوں ۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھر کر جواب دیا " دیکھو اس کا انجام کیا ہوتا ہے ۔"

"۔ انجام اچھا ہی ہو گا۔" اختر نے مسکرا کر کہا۔

اب ایسا ہوا کہ میں روزانہ ہی اختر کے گھر جانے لگا۔ تم صرف دو ماہ کے قلیل عرصے میں ہمارے وطن آئی تھیں اختر نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ ہی تمہاری امی بھی آئی ہیں۔ اس وقت میں سوچتا تھا کہ جبکہ تم اختر کے محلے میں ہی رہتی ہو تو پھر بھلا کس طرح اتنے طویل سفر پر اتنی دور آ گئیں۔ تمہارا آپس میں کوئی رشتہ بھی نہیں تھا۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ تم اختر کے گھر ہی میں آ کر مقیم ہوئیں۔ !"

عشق میں انسان اتنا اندھا ہو جاتا ہے کہ اس وقت ایسے مسئلوں کا حل اسے نہیں سوجھتا۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ تمہارا اختر کے ساتھ کیا رشتہ ہے اور کیوں تم اس کے گھر میں ٹھہری ہوئی ہو! ۔ دو ماہ کا عرصہ ہی کیا ہوتا ہے میں نے سوچا کہ یہ تو چٹکی بجاتے میں بیت جائے گا۔ اس لئے کیوں نہ اس وقفے میں جی بھر کر اپنی نظروں کی تشنگی مٹا لوں۔ "میں روزانہ تمہیں نئے نئے لباس میں دیکھتا اور ہر لباس میں تم مجھے پیاری نظر آئیں۔

اختر کی بڑی بہن کیسی تمہارے ساتھ ہی آئی ہوئی تھیں۔ مجھے اس کا علم ہی نہ تھا کہ وہ تمہاری والدہ ہیں، اختر کے جھوٹ کے طفیل میں یہ حقیقت سمجھنے سے قاصر رہا۔ اختر نے یقیناً میری عدم موجودگی میں ان سے میری بڑی تعریف کی ہو گی۔ تعریف بھی کیا کی ہو گی۔ "بس یہی کہ میں ایک پاگل سا لڑکا ہوں۔ مصوری جانتا ہوں اور دوسروں سے ہنس بول کر بات کر لیتا ہوں اور بے انتہا

مخلص ہوں۔

اور انھوں نے مجھے اپنا چھوٹا بھائی بنا لیا۔!

یہ تو تم جانتی ہی ناہید کہ میری کوئی بہن نہیں ہے۔ ایک عزیز بہن کی مجھے برسوں سے تلاش تھی۔ باجی اس معیار پہ پوری اتریں۔ اور پھر انھیں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ تم اختر کی بھانجی ہو اور اختر صرف میری دلجمعی کی خاطر اتنے عرصے تک مجھے بہکاتا رہا۔

مجھ پر گویا بجلی گر گئی۔!

آرزوؤں کے محل چکنا چور ہو گئے۔

مجھے چاروں سمت اندھیرا نظر آنے لگا۔

شرم و ندامت سے میں سرنگوں ہو گیا۔ ایک عجیب قسم کا ڈر میرے دل میں گھر کرنے لگا اور مجھے رہ رہ کر اختر کے سامنے کہی ہوئی وہ باتیں یاد آنے لگیں جو تم سے متعلق تھیں۔ اور جو انتہائی حماقت آمیز تھیں۔ میں نے اس کے سامنے بیٹھ کر گھنٹوں تمہارے گُن گائے تھے۔ تمہارے حسن کی تعریف کی تھی اور تمہیں اپنا بنا لینے کا اظہار کیا تھا۔

اختر میرا عزیز دوست ہے۔!

اور میں نے اس دوست کے ساتھ ایسی ذلیل حرکت کی!۔ میں خوف کے مارے کانپ گیا ناہید۔ میں یہ سوچ کر پشیمان ہو گیا کہ آخر اس نے کیا اندازہ لگایا ہوگا۔ اسے بھلا کیا علم ہوگا کہ میرے دل میں کیسے پاکیزہ جذبات پرورش پا رہے ہیں۔ وہ تو سمجھا ہوگا کہ تم سے کی گئی یہ چاہت محض وقتی ہے۔ وقت

کے وھاسے کے ساتھ یہ چاہت بھی بہہ جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اس بات کا برا مانا ہو کہ میں نے اس کی بھانجی کو بری نظر سے دیکھا۔!

اور نا ہید۔ یہ زمانہ اب ایسا آگیا ہے کہ سچ کی کوئی وقعت نہیں۔ محبت سچی ہو یا جھوٹی۔ بہر حال ہمارے سماج میں گناہ ہے۔۔

اور اختر بھی ہمارے سماج کا ایک رکن ہے!۔

مجھے اختر سے بہت ڈر لگ رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ میری اس نظر کی پاکیزگی سے بدظن نہ ہو جائے جو میں نے تم پر ڈالی تھی۔ وہ جانتا تھا۔ مجھے اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر راز کھل جانے کے بعد مجھے اب اپنے دل میں چور نظر آیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں ایک مذموم فعل کا مرتکب ہوا ہوں۔

میری زندگی میں یہاں آکر ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ محبت کے دیئے سسکنے لگے اور میں تہذیب کے وسیع سمندر میں ڈوب کر رہ گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ شعور کی منزل مجھ سے کوسوں دور تھی۔ میں اب بڑی حسرت کے ساتھ کسی ایسے راہی کو دیکھ رہا تھا جو مجھے تھوڑی سی ہمدردی دے اور مجھے ایسے موقع پر مشورہ دے۔ مگر ہمدرد سوائے اختر کے اور کوئی نہ تھا اور اختر سے اس سلسلے میں مجھے مشورہ کرنا مناسب معلوم نہ ہوتا تھا۔

میری عقل نے مجھے جو بات سمجھائی وہ یہ تھی کہ میں کسی سے نہ ملوں۔ دل چاہتے ہوئے بھی میں دو دن تک اسکول نہ گیا نہ ہی تمہارے پاس تم سے ملنے آیا۔ شاید تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوتا اگر اختر میرے گھر نہ آ جاتا۔ اس کے کئی آوازیں دینے کے بعد میں گھر سے باہر آیا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی

دریافت کیا۔

"۔ تم اسکول کیوں نہیں آرہے ہے ۔؟"

سچ کہہ رہا ہوں ناہید کہ مجھ سے ٹھیک طرح اختر سے نظریں کبھی نہ ملائی گئیں۔ وہ تمہارا ماموں تھا اور دنیا کی نظروں میں تمہارے ماموں کا مجرم ۔!

یہ دنیا بھی کتنی عجیب ہے ۔؟

یہ کسی کے دل میں جھانک کر نہیں دیکھا کرتی۔ اسے تو بس نکتہ چینی کرنا آتی ہے۔ گو اس وقت تک دنیا نے مجھ سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ میرے اپنے دل میں چور تھا۔ اور میں دنیا کے فرسودہ چلن سے باخبر تھا۔ پھر بھلا میں کیوں نہ ڈرتا ۔؟

میں نے سہم کر جواب دیا۔

"۔ میری طبیعت خراب ہے آج کل ۔"

اختر یہ سن کر مسکرایا۔ گویا میری باطنی کیفیت کا ٹھیک طرح سے اندازہ لگا چکا ہو۔ اس کے بعد بولا۔

"۔ آج کل تو طبیعت اچھی ہو جانی چاہیے مُنّے ۔"

اور میں اس طنز کو سمجھ گیا۔ اس چبھتے ہوئے فقرے نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ناہید۔ نیزے کی اَنی تھی جو اختر نے الفاظ کی صورت میں میرے دل پر ماری۔ ممکن ہے اس نے یہ فقرہ مذاق میں کہا ہو۔ مگر میں نے اس فقرے کو سنجیدگی سے لیا۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ وقت آگیا ہے جبکہ اختر کے دل میں شک

وشبہات کے کانٹے اگنے لگے ہیں۔ میں نے اس سے کچھ نہ کہا۔ بس چپکے سے اٹھ کر اپنی الماری کھولی اور تمہاری تصویر کو دزدیدہ نظر سے۔ مگر ایسی نظر سے جس میں حسرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، دیکھا۔ اور پھر وہ تصویر۔ وہ متاعِ گراں۔ میں نے اختر کی گود میں لا کر رکھ دی۔

"۔ یہ کیا ہے۔؟" اختر بھونچکا رہ گیا۔

"۔ یہ تمہاری امانت ہے اختر، اب میں اسے لوٹانا چاہتا ہوں۔"

"امانت۔!

"ہاں۔ اپنی یہ امانت واپس لے لو۔"

اختر نے مجھے حیرت سے دیکھا۔ اور پھر مسکرا کر کہنے لگا۔

"امانت کیسی؟۔ یہ تو مالِ مسروقہ ہے، لہٰذا تمہارا ہے۔"

"نہیں اختر۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔؟"

"ہاں۔ ایسا ہی سمجھ لو۔"

اور اتنا کہتے کہتے کبھی میری آنکھوں میں میرا دل پانی بن کر آ گیا۔ اختر کہیں دل کا یہ انجام نہ دیکھ لے، اس ڈر سے میں نے جلدی سے منہ پھیر لیا اور پھر تیزی سے گھر کے اندر چلا گیا۔ اس نے کئی مرتبہ آوازیں دیں۔ کریم کو بار بار مجھے بلانے کے لئے اندر بھیجا۔ مگر میں باہر نہیں نکلا۔

اس چھوٹی سی عمر میں میرے دل نے یہ پہلی چوٹ کھائی تھی۔ اور پہلی چوٹ ناہید بہت تکلیف دہ ہوتی ہے لہٰذا اس چوٹ کی ناقابلِ برداشت تکلیف

نہ سہنتے ہوئے میں بیمار پڑ گیا۔ دل ہی دل میں ہوائی قلعے بنا رہا تھا سوچ رہا تھا کہ اختر نے تم سے جا کر یہ سب کچھ کہا ہو گا۔ جب میں بیمار ہو گیا تو شاید میری بیماری کی اطلاع بھی تمہیں دی ہو گی اور تم یقیناً پریشان ہو گئی ہو گی۔ تمہارا چہرہ کمھلا گیا ہو گا۔ میری صحت کی دعائیں مانگی ہوں گی۔!

مگر کیا ایسا ہوا تھا۔؟

یہ تو صرف تم ہی جان سکتی ہو۔ تم، جس نے آج تک راز دل کہتے ہوئے ہمیشہ تغافل کی آڑ لی۔

اور پھر یہ چند دن بعد کی بات ہے۔ یا جی میری بیماری کا سن کر میری عیادت کو آئیں۔ عیادت کے ساتھ ہی قیامت بھی ہمراہ تھی۔ یعنی تم بھی ان کے ساتھ تھیں۔ تم نے اس دن اپنے بالوں میں ایک تپلا ربن باندھ رکھا تھا جس نے تمہارے لاثانی حسن میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ بڑی بے نیازی کے ساتھ تم گھر میں داخل ہوئیں اور خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئیں۔۔ میں دروازے کی اوٹ میں سے دیکھ رہا تھا کہ میری امی کی نظریں بار بار تم پر پڑ رہی تھیں۔ اور ان نظروں کو فرحت بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔۔!

ہاں۔ اب اس کہانی میں یہاں فرحت داخل ہوتی ہے۔

فرحت ہمارے یہاں والدہ سے پڑھنے آتی تھی۔ عمر میں وہ تم سے کچھ بڑی تھی۔ حسین بھی تھی اور ناز و انداز بھی اس میں زیادہ تھے۔ وہ سب کچھ اس میں موجود تھا جو ایک نوعمر لڑکی میں ہوا کرتا ہے۔ میں بہت دنوں

سے اس کی نگاہوں میں چھپی ہوئی تحریریں پڑھ رہا تھا۔ بہت پہلے سے میں ان نگاہوں کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ جس طرح میں تمہیں والہانہ طور سے چاہتا ہوں تاسیس ناہید، وہ بھی مجھے ایسی ہی چاہتی تھی۔ وہ مجھے نگاہوں ہی نگاہوں میں پوجتی تھی۔ لیکن میرا دل اس کی طرف کبھی ملتفت نہ ہوا اس کا خیال تھا کہ میں پتھر دل ہوں۔ لیکن اسے اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ میں کسی اور ہی شمع کا پروانہ ہوں۔

اور اس دن اسے معلوم ہو گیا کہ وہ شمعِ حسن کونسی ہے؟

تم جانتی ہو کہ عورت، عورت کے دل کا راز بہت جلد معلوم کر لیتی ہے۔ وہ تم سے نہ جانے کیوں بات نہیں کر رہی تھی میں نے اس کی نگاہوں میں ایک عجیب سی چمک دیکھی اور یہ چمک تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی۔ بڑی کینہ سوز نظریں تھیں۔ میں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر میں دیکھ کر میری نظروں میں جو بے بسی۔ اور جو التجا۔ اور جو حسرت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بھی فرحت کے یہ جان لینے میں معاون ثابت ہوئی کہ میں تمہیں دل و جان سے چاہتا ہوں۔

میری والدہ سے باتیں کرنے کے بعد باجی تمہارے ساتھ میرے کمرے میں آئیں۔ بخار تو تھا ہی اور کچھ میں نے بہانا بھی کیا، یعنی جان بوجھ کر چہرے پر اور نقاہت پیدا کر لی۔ اور آہستہ آہستہ کراہنے بھی لگا۔ باجی میرے قریب آ کر میرے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ اور پھر میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر انھوں نے بخار کا اندازہ لگایا۔ اس وقت ایک عجیب خواہش

میرے دل میں پیدا ہوئی۔ میرا دل چاہنے لگا کہ کاش! ۔ کاش کسی طرح تمہاری حنائی انگلیاں، تمہاری گلاب کی پنکھڑیوں سے بھی لطیف پوریں میری پیشانی کو چھو لیتیں۔ میرا دل کہنے لگا کہ اگر واقعی ایسا ہو گیا تو میری بیماری تمہارے اس ہلکے سے لمس سے یوں چٹکی بجاتے میں دور ہو جائے گی۔

مگر ایسا نہیں ہوا۔!

میرے دل کی آواز تم تک نہیں پہنچی اور میں اپنا دل مسوس کر رہ گیا تم دروازے ہی میں کھڑی مجھے دیکھتی رہیں۔ تمہاری نظروں میں اس وقت میں نے ہمدردی کی جھلک دیکھی۔ لیکن میں اچھی طرح جان گیا تھا کہ یہ ہمدردی تمہیں میری ذات سے نہیں، میری بیماری سے تھی۔!

نہ جانے کیا بات تھی کہ امی تمہیں اور تمہاری والدہ کو دیکھ کر باغ باغ ہوئی جاتی تھیں۔ وہ تمہیں لگاتار دیکھے جا رہی تھیں اور جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا وہ تمہیں میرے لئے پسند کر رہی تھیں۔ مگر میری قسمت ایسی کہاں ہے تاہید۔ ازل سے ہی میری قسمت میں نا امیدی اور محرومیوں کو بھر دیا گیا ہے۔ میں ہی اتنا کم نصیب رہا کہ اپنی خرابئ قسمت کے باعث تمہیں نہیں پا سکا۔!

امی نے فرحت کو فوراً شربت بنانے کے لئے کہا اور وہ بادلِ نخواستہ اس حکم کو بجا لانے کے لئے اٹھی۔ امی کو تمہاری باتیں بہت پسند آئیں اور تم بھی تھوڑی ہی دیر میں سب سے بے تکلف ہو گئیں۔ تمہیں خود بھی تصویری سے لگاؤ تھا اس لئے دیواروں پر آویزاں۔ میری بنائی ہوئی تصاویر تم

بڑی دلچسپی سے دیکھتی رہیں۔

فرحت لگاتار تمہیں گھورے جا رہی تھی۔ اور جب تم چلی گئیں تو اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا کہ میں نے فوراً اپنا منہ تکیے میں چھپا لیا۔ فرحت کی ان خشمگیں نظروں میں جو سوالات مستور تھے۔ ان کے جواب دینے کی مجھ میں ہمت نہ تھی۔ جب میں خاموش رہا تو اس نے بعد میں ایک طوفان اٹھا دیا۔ رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اس نے امی کو تمہارے خلاف بہت زیادہ ورغلایا۔ تمہارے بارے میں اس نے بہت سی شرمناک باتیں کہیں ایسی باتیں کہیں جنہیں اب میں الفاظ میں کسی صورت سے نہیں لکھ سکتا۔ اس نے ہر ممکن کوشش کر لی کہ کسی صورت سے تمہارے نقش کو میرے دل سے مٹا دے مگر ہوا کچھ نہیں۔

میرے دل پر یہ نقش بہت گہرا تھا۔!

فرحت تمہارے نقش کو تو میرے دل سے مٹا نہ سکی بلکہ اس طرح سے اس نے اپنی وقعت میری نظروں سے کھو دی۔ پہلے میں اس کے جذبات کی قدر کرتا تھا، مگر اب اس کے رویہ سے میرے سینے میں غصے کی آگ بھڑک اٹھی۔ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ میری نازبرداری کرنے لگی اور میں اس سے دور بھاگتا رہا۔

تم شاید یہ پڑھ کر مسکرا رہی ہو گی ناہید۔ میں اپنے رومان کے قصے تمہیں برابر سنا رہا ہوں اور تم سوچ رہی ہو گی کہ شاید تمہیں مرعوب کرنے کی خاطر میں ایسا کر رہا ہوں۔ مگر خدا گواہ ہے یہ سب سچ ہے، جو

کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ لفظ بہ لفظ سچ ہے۔

میں ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتا۔ خدا جانے کون سا دن تھا اور وہ کیا بات تھی جس کے باعث میں گھر میں اکیلا تھا۔ امی کہیں گئی ہوئی تھیں۔ جب میں اسکول سے گھر آیا تو صرف فرحت ہی اکیلی موجود تھی۔ میں اسے دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اس نے میرا استقبال ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ کیا اور بولی ـ۔

"آیئے۔ کھانا نکالوں یا پہلے نہائیں گے۔"

"امی کہاں ہیں۔؟

"وہ گئی ہوئی ہیں۔"

"بس تو میں چلتا ہوں۔"

"کیا میں اتنی ہی بری ہوں ـ"

"یہ میں نہیں جانتا۔"

وہ میرے اور قریب آ گئی ناہید اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں مجبور ہو گیا اور اندر جا کر بیٹھ گیا۔ کھانے کے دوران وہ میرے پاس بیٹھ کر مجھے تکنے لگی۔

"آپ کتنے ظالم ہیں!" اس نے کہا۔

"ہمیں۔ تمہارے رویّے نے مجھے ایسا بنا دیا ہے۔

"ناہید کی جو برائیاں کی ہیں میں نے۔ اسی لئے نا؟"

"ہاں ـ"

"مگر میں اس چڑیل کی اسی طرح برائیاں کروں گی۔ وہ کون ہوتی ہے
آپ کو مجھ سے چھیننے والی۔"
مجھے غصہ آگیا میں نے ڈانٹ کر کہا۔
"خبردار اب جو تم نے ناہید کو چڑیل کہا۔"
"کہوں گی۔ ہزار بار کہوں گی۔ وہ چڑیل ہے....."
اس سے پہلے کہ وہ چڑیل کی گردان کرتی میں نے طیش میں آکر اس
کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ رسید کیا۔ تھپڑ کھا کر وہ بری طرح رونے
لگی اور پھر دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ ساتھ ہی کہنے لگی۔
"مجھے مار ڈالئے۔ گلا گھونٹ دیجئے اپنے ہاتھوں سے۔ مگر خدا کے
لئے مجھ سے نفرت نہ کیجئے۔"
"میں نفرت نہیں کرتا مگر تم خود اپنے رویہ سے مجھے مجبور کر رہی ہو
کہ میں ایسا کروں۔"
"اچھا اب میں کچھ نہ کروں گی۔ میں صرف آپ کو دیکھ دیکھ کر ہی جیونگی
آپ مجھ سے بات کر لیں بس میرے لئے یہی بہت ہے۔"
تو یہ تھی وہ فرحت۔ یہ کتنی عجیب لڑکی تھی ناہید۔ وہ مجھ پر جان
چھڑکتی تھی اور میں نے اسے محض تمہاری خاطر مارا۔ اس سے نفرت کی
اور اس کی محبت کو ٹھکرا دیا۔ کتنا تضاد ہے تم دونوں میں۔ جو لڑکی
مجھ پر جان چھڑک رہی تھی میں اس سے دور بھاگ رہا تھا۔ اور جو
لڑکی مجھ سے دور تھی، جس کے بارے میں مجھے یہ بھی علم نہ تھا کہ وہ

بھی مجھے چاہتی ہے یا نہیں؟ اس لڑکی کی خاطر میں فرحت سے بے اعتنائی برت رہا تھا! ۔ چند سالوں کے بعد جبکہ میں بھی جوان ہو گیا تھا اور فرحت بھی شباب کی منزل تک پہونچ گئی تھی۔ یہ کھچاؤ اور بھی بڑھ گیا۔ وہ مجھے برابر چاہتی رہی مگر میں نے اس سے نگاہیں پھیر لیں۔ اپنی محبت کا جواب نفرت سے پا کر اس کا دل ٹوٹ گیا۔ اس کی شادی ہونے والی تھی۔ شادی سے چند دن پہلے وہ میرے پاس آئی۔ اس کی آنکھیں رونے روتے سرخ ہو گئی تھیں۔ آخری مرتبہ مجھے اپنا بنانے کے لئے اس نے ایک زوردار جدوجہد کی۔ میرے سامنے گڑگڑائی اور میرا کندھا اس نے اپنے آنسوؤں سے گیلا کر دیا۔ مگر، مگر اب میں کیا کر سکتا تھا۔

میرے دل کو نفرت کے کانٹوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔

اس کی شادی ہو گئی۔ لیکن چند سال بعد ہی وہ فرحت مر گئی ناہید۔ اور مجھے اس کا بہت افسوس ہوا۔ میں آج تک خود کو اس کا مجرم سمجھتا ہوں لیکن میں مجبور تھا۔ میں اسے کچھ نہیں دے سکتا تھا۔!

فرحت کی داستان سنانے سے میرا مطلب یہی ہے کہ تم جان سکو کہ میں کوئی بے کار ہستی نہیں ہوں۔ کئی لڑکیوں نے مجھے چاہا ہے۔ کئی نے اپنے دل نکال کر میرے قدموں میں رکھ دیئے ہیں۔ ان کے آنسوؤں سے میرے دل بھی پسیجے ہیں۔ لیکن میں محبت کی ڈگر پر ڈگمگایا نہیں۔ تم کوئی پہلی ہستی نہیں ہو جس نے اول اول مجھے چاہا اور بعد میں ٹھکرا دیا۔ بہت سے نامراد دل ایسے تھے جن میں میری محبت کروٹیں لیتی تھی۔ ایسی دوشیزائیں تھیں جو مجھے چاہتی تھیں

لیکن میں نے انھیں ٹھکرا دیا۔ صرف تمہاری وجہ سے۔ ورنہ میں اگر چاہتا تو
ان کی محبت کا جواب خیت سے دے سکتا تھا۔ اپنی آغوش ان کے لئے وا کر سکتا
تھا۔ لیکن تمہارے خیال نے میرے عزم راسخ کے آگے ایک دیوار کھڑی کر دی
میرے ارادے پابجولاں ہو گئے۔ اور میں مجبور ہو کر رہ گیا۔

اختر روزانہ میرے پاس آتا رہا۔ میری یہ حالت دیکھ کر وہ بہت
افسردہ تھا۔ میرے پاس بیٹھ کر وہ مجھے نت نئے لطائف سناتا۔ مگر مسکراہٹ
میرے لبوں سے روٹھ گئی تھی۔ میں نے جو جرم کیا تھا اس کا احساس ابھی تک
میری روح پر حاوی تھا۔ اور اب میں اختر سے نظریں ملاتے ہوئے ڈرتا
تھا۔ ایک دن اس نے مجھ سے چپکے سے مجھ سے کہا کہ تم مجھے بہت یاد کرتی
ہو اور گھڑی گھڑی اس سے میری حالت دریافت کرتی ہو۔ یہ سن کر میرے
خون کی گردش تیز ہو گئی۔ مسرت کے باعث میرے چہرے پر خون جھلکنے لگا۔
میں وثوق سے کہتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوا ہو گا۔ تم نے یقیناً مجھے یاد کیا ہو گا
چاہے اب تم اقرار نہ کرو۔ لیکن میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔

میرا دل مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔!

باجی گاہے گاہے ہمارے یہاں آتی رہیں اور میں آہستہ آہستہ رو
بہ صحت ہوتا گیا۔ باجی کے ساتھ تم بھی ضرور آتیں۔ میں تمہارا بہت ممنون ہوں
کہ تمہاری موجودگی سے میرا دکھ بہت جلد دور ہو گیا۔ اور میں بہت جلد
تندرست ہو گیا۔ بیمار عشق دواؤں اور دعاؤں سے نہیں، صرف دیدار
محبوب ہی سے صحت مند ہو سکتا ہے۔

تمہارے دیدار نے بھی یہی معجزہ دکھایا تھا۔!

اسکول میں پھر جانے لگا۔ دوستوں نے محسوس کیا کہ مجھے چپ سی لگ گئی ہے۔ میرے قہقہے کم ہو گئے ہیں اور میرا دل بجھا بجھا سا ہے۔ سب یہی سمجھے کہ بیماری کے بعد چڑچڑا پن مجھ میں پیدا ہو گیا ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے؟ اس سے صرف اختر ہی واقف تھا۔ میں اب اس کے ہمراہ اس کے گھر نہیں جاتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ زور بھی دیا۔ مگر میں نے ہمیشہ انکار کر دیا جب اس نے دیکھا کہ میں آمادہ ہی نہیں ہوتا تو مجھے زبردستی پکڑ کر تمہارے پاس لے آیا۔ لیکن اب اختر کے سامنے میں تم سے نگاہیں ملانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ عشق کتنا مجبور تھا ناہید۔!

اختر نے اپنے عزیز دوست کے لئے یہ قربانی دی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ تمہارا ماموں تھا اور مجھے اس کا لحاظ رکھنا اب ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے آخرکار یہ سوچا کہ کیوں نہ اختر کے سامنے یہ ظاہر کر دوں کہ میں نے تم سے کبھی محبت ہی نہ کی۔ میری محبت محض شباب کی جوش تھی۔ جو اب دبا گئی ہے۔ اس سے تو یہ کہہ دوں اور تمہیں در پردہ اسی شرارت سے چاہتا رہوں۔ کیونکہ تمہیں چاہے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔!

یہ تجویز مجھے بہت معقول نظر آئی اور اب میں نے اختر کے سامنے تم سے باتیں کرنا کم کر دیں۔ مگر اس اقدام کا الٹا اثر ہوا۔ وہ جو کسی نے کہا ہے ؂

ہر چند لائیگا نہ زباں پر نہ رازِ عشق
نظریں پکار اٹھیں گی تو کیا کیجیئے گا آپ؟

یہی میرے ساتھ ہوا۔ وہ سب ان کہے راز اختر کے سامنے میری نظروں سے جھلکتے رہے جو میں نے ان سے چھپائے تھے۔ اختر ایک ایک بات سمجھتا رہا اور جان بوجھ کر وہ ایسے مواقع فراہم کرتا رہا جن میں میں تم سے آزادانہ باتیں کر سکتا تھا۔ میری خاموش نظروں نے ان دنوں ہزار ہا پیغام تمہیں پہنچائے تھے اور تمہیں اس کا اعتراف ہوگا کہ تم انہیں سمجھ کر شرم سے گردن جھکا لیتی تھیں اور میری نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کبھی کبھی بیباکی سے دیکھتیں۔ لیکن تمہاری احتیاطِ نظر نے مجھے یہ بتا دیا تھا کہ تم میری نگاہوں سے نگاہیں ملاتے ہوئے جھجکتی ہو۔!

اور یہ جھجک خواہ مخواہ پیدا نہیں ہوا کرتی۔

اس کی تہہ میں کئی راز ہوتے ہیں۔ سمندر اوپر سے پُر سکون نظر آتا ہے، لیکن یہ کیسے معلوم کہ اس کے سینے میں کتنے طوفان کروٹیں لے رہے ہیں۔!

فرحت اب تم سے بہت زیادہ جلنے لگی۔ پہلے تو راز دل کہتے ہوئے جھجکتی تھی۔ مگر اب اعلانیہ اس نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا۔ اور جب میں نے اپنی بے بسی ظاہر کی تو اس نے مجھے تمہارا طعنہ دیا کہ چونکہ میں تم پر فدا ہوں اسی لیئے اس کی جانب توجہ نہیں کرتا۔ دل تو چاہا کہ کہہ دوں۔ ہاں۔! میں ناہید پر فدا ہوں۔ اسی پر فدا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت

مجھے اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی، کوئی میری محبت میں سدِ راہ نہیں بن سکتا۔

لیکن میں ڈرتا تھا۔

دنیا سے۔ اپنے والدین سے اور تمہاری بدنامی سے!

تمہاری عزت مجھے بہت پیاری ہے ناہید!۔ مگر بے وفا تم نے کبھی اسے سنجیدگی سے نہیں سوچا تم نے کبھی یہ نہ جانا کہ اس دنیا میں کوئی ناکارہ ہستی تمہیں اس قدر چاہتی ہے کہ دوسرا کوئی نہیں چاہ سکتا۔ تم میری بہت سی باتوں کو محض مذاق سمجھتی رہیں۔ مگر میری محبت مذاق نہیں تھی بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے۔ یہ میں مانتا ہوں اور تم بھی شاید اسے نہیں جھٹلا سکتیں کہ تم نے بھی مجھ سے محبت کی۔ ایک خاموش اور گونگی محبت۔ سہمی ہوئی سی۔ لجائی ہوئی سی۔ لیکن کیا ہو جاتا جو تم اوّل اوّل میرے سامنے اقرار کر لیتیں۔ اس طرح میری زندگی میں کچھ سالوں کا اضافہ ہو جاتا اور اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں تھا۔

ناہید!۔ زندگی میں اگر مجھے کسی چیز کی خواہش رہی تو وہ صرف تمہارا اقرارِ محبت ہے۔ میں تو کم ہمت تھا ہی، مگر تم بھی بزدل ثابت ہوئیں میں تو افلاس کی وجہ سے مجبور تھا مگر تمہارا دامن کس مجبوری نے تھام رکھا تھا! اقرارِ محبت تم نے ضرور کیا ہے۔ اپنی اداؤں سے، اپنی نگاہوں سے۔ اپنے انداز سے، مگر میں زبانی اقرار چاہتا تھا۔ یہ اقرار سن کر میرا حوصلہ بڑھ جاتا اور تب شاید میں تمہیں اپنانے کی سعی کرتا۔ مگر تمہارا ردِعمل بعینہٖ

اس شعر جیسا رہا۔

ادھر بھی اک تغافل ہے اُدھر بھی بے نیازی ہے
وہ مجھ کو آزماتے ہیں میں ان کو آزماتا ہوں

ناہید میں تمہارے دو محبت بھرے لفظوں کو سننے کے لئے ترستا ہی رہا۔ اقرار محبت تم نے بیشک کیا۔ مگر اس وقت جبکہ اس کا کچھ فائدہ نہ تھا۔ تم مجھ سے بہت دور جا رہی تھیں اور میں بے بسی سے کھڑا تمہیں جاتے دیکھ رہا تھا۔ تمہارے جانے سے کئی سال پہلے دل نے مجھے عجیب عجیب مشورے دئے تھے۔ اس ظالم دل نے مجھ سے کہا تھا۔

ناہید بے وفا ہے۔ اس نے تجھ سے بے وفائی کی ہے۔

وہ نازونعم میں پلی ہوئی ایک اعلیٰ گھرانے کی لڑکی ہے، اور تو موری میں رینگنے والا ایک کیڑہ۔ شمع کا مقابلہ چمکتے ہوئے چاند سے کرنا چاہتا ہے۔؟ بیوقوف وہ تجھے کبھی نہ چاہے گی۔ اگر چاہے گی بھی تو اس کی اس چاہت میں خلوص نہ ہوگا۔ وہ ایک دن تجھے اپنے ذہن کی سطح سے بالکل اس طرح مٹا دے گی، جیسے گیلے ریت پر کھنچی ہوئی کوئی لکیر مٹ جاتی ہے۔ تو اسے بھول جا۔ تیرے لئے اس وقت یہ موقع غنیمت ہے۔ محبت جب جڑ پکڑ جائیگی تو تمام عمر بیٹھ کر روئے گا۔

لیکن میں نے دل کی اس آواز پر کبھی لبیک نہ کہا اور تمہیں اسی شدت سے چاہتا رہا۔ نتیجہ اب میں بھگت رہا ہوں۔ دل تھام کر رہ رہا ہوں اور

شاید روتا ہی رہوں گا تمام عمر — !

میری یہ داستان اب بے ربطی اور عدم تسلسل کا شکار ہوتی جا رہی ہے صرف اس لئے کہ دماغ میں خیالات کا دریا موجزن ہے — ایک طوفان سا اٹھ رہا ہے میرے دل میں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ وہ سب کچھ تم سے کہہ دوں جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ خیالات جس تیزی سے آ رہے ہیں۔ قلم خیالات کی اس برق رفتاری کا ساتھ نہیں دے رہا۔

کچھ عرصے کے بعد تم واپس اپنے وطن رائے پور چلی گئیں۔ اور میرے لئے گویا ہر شے مردہ ہو گئی۔ وہ گھر — وہ سڑکیں — وہ گلیاں جن میں تم نے کبھی قدم رکھا تھا، سب سنسان سی ہو گئیں۔ شہر کی رونق جیسے عنقا ہو گئی پھول مرجھا گئے اور فضا پر ایک جمود سا طاری ہو گیا۔ رہا میں۔ تو میں بس کل کا ایک کھلونا بن کر رہ گیا۔ چابی بھر دینے سے چلتا تھا اور جب چابی ختم ہو جاتی تھی تو بت بن کر بیٹھ جاتا تھا۔ تم کیا گئیں کہ میرے ساتھ میری دلچسپیاں اور مسکراہٹیں بھی لے گئیں۔ یہ دور مجھ پہ ایسا گزرا تھا کہ تمہیں بتا نہیں سکتا۔ یوں سمجھ کہ جہنم میں گزرا تھا۔

ان ایام کی یاد میرے لئے روح فرسا ہے !

میں اور اختر امتحان میں پاس ہو گئے۔ اختر جماعت میں اول آیا تھا اور میں رعائتی نمبروں سے پاس کیا گیا تھا۔ اس سے پیشتر میں ہمیشہ جماعت میں اول آتا رہا تھا لیکن اس بار یہ عجیب بات ہوئی۔ جس نے بھی سنا دانتوں میں انگلیاں دے کر بیٹھ گیا۔ سب مجھ سے پوچھنے لگے کہ اختر ایسا کس

طرح ہوا۔؟"

میں جانتا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔؟ امتحانات سے پہلے باغ میں بیٹھ کر جو تیاری کی تھی۔ کورس کی جتنی کتابیں پڑھی تھیں وہ جیسے کہ سب تمہارے مقابل بیٹھ کر پڑھی تھیں۔ کتابوں میں جا بجا تمہارے حسین شبیہہ رقص کرتی رہی تھی۔ لفظوں کی بجائے جگہ جگہ تمہارا دلکش نام لکھا نظر آتا تھا۔ بھلا خاک پڑھائی ہوتی تھی!

درسِ محبت سمجھو، جو میں نے ان کتابوں سے حاصل کیا تھا۔!

دو سال اور بیت گئے۔

اور ان دو سالوں کے لمبے عرصے میں تم کئی مرتبہ یہاں آئیں۔ جب بھی تم یہاں آئیں مجھے باجی کے بلانے پر تمہارے ہاں ضرور جانا پڑا۔ میری نظریں تمہارا طواف کرتی رہتی تھیں۔ جس طرف تم جاتیں، نگاہیں تمہارا تعاقب کرتیں۔ تم نے یہ بات محسوس کر لی تھی۔ اور وہ جو کسی نے کہا ہے نا کہ۔

محبت اندر اندر زیست کا نقشہ پلٹتی ہے
یہی چلتی ہوئی سانسیں بدل جائیں گی آہوں سے

تو غالباً ایسا ہی ہوا تھا۔ میں نے نوٹ کیا کہ تم میرا بہت خیال کرنے لگی تھیں۔ جب کبھی میں اختر کے پاس گیا اور اتفاقاً تم اس کمرے میں بیٹھی ہوتیں، تو مجھے دیکھتے ہی فوراً باہر آ جاتیں۔ یا پھر ایسا بھی ہوتا کہ مجھ سے دور بیٹھ کر بظاہر تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتیں مگر تمہارے کان میری اور

اختر کی باتوں ہی کی طرف لگے رہے۔ کبھی کبھی تم دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھ بھی لیتیں۔ میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ خدا جانے تمہارے دل میں کون سے جذبات تھے، کبھی تم مجھ پر مہربان ہو جاتیں اور کبھی ایسی بے تعلقی ظاہر کرتیں گویا مجھے جانتی ہی نہیں۔ میں دل ہی دل میں یہ شعر یاد کر کے تمہارے اس رویے پر ہنستا۔

میں اس احتیاط نظر کے تصدق
جو بیگانہ سمجھے نہ اپنا بنالے

بعض اوقات تو مجھے یوں محسوس ہوتا گویا تمہیں مجھ سے اتنی بھی دلچسپی نہیں ہے۔ تم صرف میرے لطائف سننے کے لئے آجاتی ہو۔ ورنہ تمہیں میری ذات سے کوئی لگاوٹ نہیں۔ تمہارا کردار میری نظر میں ایک عقدہ لاینحل بنا ہوا تھا۔ میں خود تذبذب میں تھا کہ تم سے کس انداز سے مخاطب ہوا کروں۔ کہیں تم میری جسارت پر برہم نہ ہو جاؤ غرض دل میں عجیب عجیب سے خیالات آتے رہتے تھے۔ تم کس قسم کی لڑکی ہو؟۔ یہ اس وقت تک میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔!"

ہم دونوں عجیب آنکھ مچولی کا سا کھیل کھیلتے۔ کبھی ایک دوسرے کے قریب آجاتے یعنی تم مجھ سے باتیں کرنے لگتیں اور کبھی دور چلے جاتے۔ تمہارے اس استغنا اور تغافل سے میں بڑا حیران تھا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں؟ تم سے ڈر بھی لگتا تھا مگر تم سے بات کرنے کو دل بھی چاہتا تھا۔

ایک دن عجیب بات ہوئی۔ تم اندر سے اختر کے لئے پان لے کر آئیں میرے لئے بھی ایک گلوری موجود تھی۔ اختر نے پان دیکھتے ہی جھلا کر کہا۔

"۔۔ یہ پان پر تم نے پھر ورق لگا دیا۔۔"

"۔۔ ورق سے پان خوشنما نظر آتے ہیں۔۔" تم نے جواب دیا۔

اختر یہ سن کر خاموش ہو گیا اور پھر اس نے ایک گلوری میری طرف بڑھائی۔ مجھے اس قسم کی جگالی بالکل پسند نہیں تھی۔ اس لئے میں نے کہا۔

"۔۔ میں پان نہیں کھاتا اختر۔ تم کو معلوم ہی ہے۔۔"

"آپ پان نہیں کھاتے۔؟ تمہاری خوبصورت پلکیں میری طرف اٹھیں

"ہاں۔ مجھے پسند نہیں۔۔"

تم افسردہ ہو گئیں، اختر نے جلدی سے کہا۔

"اب تو کھا لو۔ وہ بے چاری بڑی محنت سے لگا کر لائی ہے۔۔"

"اگر انھیں پسند نہیں تو کیوں مجبور کرتے ہیں ماموں۔۔" تم نے جلدی سے کہا۔۔"

میں نے گھبرا کر فوراً وہ گلوری اٹھا کر منہ میں رکھ لی۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ کیا تمہیں ناراض کر دیتا؟

یہ پان میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کھایا تھا۔ تمہارے ہاتھوں کا لگا ہوا تھا نا۔ ورنہ مجھے پان سے سخت نفرت ہے۔ تم نے اس دن اپنے ہونٹوں پر سرخی لگا رکھی تھی۔ لیکن جو ہونٹ اور رخسار اس عارضی لالی کے مرہون منت نہ ہوں، انھیں کیا ضروری ہے کہ استعمال

کیا جائے۔ میں نے اختر سے یونہی کہہ دیا کہ تمہیں اس عمر میں اس قسم کی فضول خرچی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تم سے کہا ہو کیونکہ بعد میں مجھے تمہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ تم نے شاید میری بات مان لی تھی اور ان چیزوں کے استعمال سے گریز کیا تھا۔؟

مگر کیوں ــ؟

تمہارا دل اس سوال کا تمہیں جواب دے چکا ہو گا۔ میں تو جانتا ہی ہوں مگر شاید تمہیں معلوم نہ ہو۔

اختر مجھ سے رائے پور کی بہت تعریفیں کیا کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ سرسبز پہاڑوں کے دامن میں بسا ہوا یہ قصبہ بڑا پرکشش اور دلفریب ہے وہاں سورج پہاڑوں کے عقب سے طلوع ہوتا ہے اور پہاڑوں کے عقب ہی میں جا کر ڈوب جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں جگہ جگہ بہہ رہی ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہے۔ غرض وہ حسن ہے جسے دیکھنے کے لیئے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ مگر میں نہیں جاتا؟

رائے پور دیکھنے کا اشتیاق تو مجھے پہلے ہی سے تھا۔ مگر تمہارا وطن ہونے کی وجہ سے اب میری نظروں میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی مقدس مقام ہے جہاں جا کر سجدہ ریز ہونے کے لیئے میری روح کو کوئی رہ رہ کر اکساتا ہے!

محبت اب میرے دل میں ایک تناور درخت بن چکی تھی۔ تم سے

جدا ہوئے مجھے تین سال سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اور یہ تین سال کا عرصہ میرے لئے ایسا تھا جیسے جہنم میں گزر رہا ہو۔ تم کبھی اس عرصے میں دلی نہیں آئی تھیں۔ تمہاری خیریت اختر سے معلوم ہو جاتی تھی اور بس۔ اختر اتنا ظالم تھا کہ تمہارے آئے ہوئے خطوط مجھے کبھی پڑھ کر سنا دیا کرتا تھا۔ اور میں خطوط کو یوں منہمک ہو کر سنتا جیسے کہ ابھی اس میں میرے لئے کوئی بات تم نے لکھی ہو گی۔ اختر پورا خط پڑھ جاتا مگر میری روح تشنہ رہتی۔ مجھے اب تک اس بات کا بھی علم نہ تھا کہ آیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ ہے یا نہیں۔ میں جو تم پر اس قدر پروانہ وار فدا رہا ہوں اس کا اثر کچھ تم پر بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ مجھے بالکل علم نہ تھا کہ تمہارے دل میں میرے لئے کون سے جذبات پرورش پا رہے ہیں۔ اختر کو خود بھی معلوم نہ تھا ورنہ وہ مجھے ضرور بتا دیتا۔ اتنا میں ضرور جان گیا تھا کہ تمہارے دل میں میرا کچھ خیال ضرور ہے۔ مگر محض خیال ہی کو تو محبت نہیں کہا جا سکتا۔ محبت تو دل کو تڑپا دیتی ہے اور وہ تڑپ تمہارے دل میں نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو یقیناً تم اختر کے خطوط میں اپنا دل نکال کر رکھ دیتیں۔

اختر کی زبانی مجھے اتنا ہی معلوم ہوا کہ اس تین سال کے عرصے میں تم میں عجیب و غریب تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ تمہاری شوخ مزاجی رخصت ہو گئی ہے اور اس کی جگہ سنجیدگی اور بردباری نے لے لی ہے۔ تم اب کتابوں کا کیڑا بن کر رہ گئی ہو۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی ہو۔

لکھتی رہتی ہو یا بُنتی رہتی ہو۔ اتنا باریک کام کرتے کرتے تمہاری بینائی میں بھی کچھ فرق پڑ گیا ہے اور اب تم عینک بھی استعمال کرنے لگی ہو۔ مگر عینک لگانے کے بعد تمہارا چہرہ اور دلکش ہو گیا ہے۔ گھر میں سب تم سے ڈرتے ہیں۔ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی کچھ کام نہیں کرتا۔ سب تمہاری خوشنودی کے لئے ہر وقت پلکیں بچھائے رہتے ہیں (اور اس میں اختر بھی شامل تھے) تم ہر وقت اپنے کمرے میں بند رہتی ہو۔ تمہاری سہیلیاں تمہیں سنکی کہتی ہیں۔ چڑچڑا پن تو تم میں اتنا پیدا ہو گیا ہے کہ کہا نہیں جا سکتا نوکر تم سے عاجز ہیں اور گھر والے نالاں۔۔!

کتنا بڑا تغیر ہو گیا تھا تم میں۔ کتنی عظیم تبدیلی!۔ تبدیلی تو مجھ میں بھی ہو گئی تھی ناہید۔ میں بھی اب وہ مریل سا لڑکا نہیں رہا تھا۔ میں نے بھی کافی اچھے ہاتھ پاؤں نکالے تھے۔ میرا قد لمبا ہو گیا تھا اور سینہ چوڑا۔ لڑکے کہتے تھے کہ ایک عجیب طرح کی وجاہت میرے چہرے پر برسنے لگی تھی۔ بلبیتر کا خیال تھا کہ میں ڈراموں کا ہیرو بن سکتا ہوں خدا کا شکر ہے کہ میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا۔ اب اسکول سے نکل کر میں کالج میں پہنچ چکا تھا۔ میرا دل پسند سبجیکٹ مصوری تھا اور میں اپنی توجہ زیادہ سے زیادہ اسی طرف صرف بھی کر رہا تھا۔ ہمارے کالج میں مصوری کی جو کلاس لگتی اس میں کچھ یوروپین لڑکیاں بطور ماڈل آتی تھیں۔ ہم ان لڑکیوں کے خط و خال کو کاغذوں پہ اتارا کرتے اور پھر ان میں اپنے برش سے رنگ آمیزی کیا کرتے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی

جھجک۔ سچی بات یہ ہے کہ میں کلاس میں سب سے اچھا طالب علم تھا۔

روبی ایک ایسی لڑکی تھی جو میرے سامنے بے حجابانہ بیٹھتی تھی۔ اس کی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہوتی تھیں اور میری اس پر۔ اس کی نگاہوں میں بھوک اور ہوس ہوتی تھی اور میری آنکھوں میں تجسس اس لڑکی کا ذکر تو میں آگے چل کر کروں گا۔ مختصراً اس کے بارے میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ بڑی عجیب لڑکی تھی۔ لڑکے اس کی ایک مسکراہٹ پر جان نثار کرنے کو تیار تھے۔ مگر میں اس مسکراہٹ کا جواب ہمیشہ تغافل سے دیتا تھا وہ مجھ سے بہت کچھ چاہتی تھی۔ مگر میں اس سے اس طرح دور بھاگتا تھا جیسے وہ ممنوعہ شے ہو!

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں مجھ میں بھی اتنی جاذبیت تھی کہ دوسرے میرے قریب آنے کی کوشش کرتے تھے۔ اختر نے ایسے موقع پر جبکہ کالج کی تعطیلات ہوئیں مجھے راۓ پور چلنے کی دعوت دی اس نے کہا کہ میں راۓ پور کے سرسبز پہاڑوں کو کینوس پر اتار دوں۔ وہاں کی گنگناتی ندیوں اور ہلکورے لیتے ہوۓ جھرنوں کو کاغذ پر منجمد کر دوں، میں خود بھی مناظر کا دلدادہ تھا اور پھر عرصے کے بعد میری ایک تمنا بر آنے والی تھی۔ یعنی تم سے ملاقات!

تمہارے بارے میں اختر نے مجھے جو کچھ بتایا تھا اس نے مجھے حیرت زدہ کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہی نہ آتا تھا کہ تم اب ایسی ہو گئی ہو گی۔ تمہیں دیکھنے کی ایک تمنا تھی جو تین سال سے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اب

جبکہ وہ تمنا پوری ہونے والی تھی تو بھلا میں کس طرح اختر کی اس دعوت کو ٹھکرا دیتا۔ میں نے ہامی بھرلی اور پھر ایک خوشگوار ساعت میں، ہم دونوں رائے پور کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوئی میری اس وقت کی مسرت دیکھتا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی کھویا ہوا خزانہ مجھے پھر سے ملنے والا ہے۔ اختر نے میری یہ حالت نوٹ کر لی اور بولا۔"

"اتنے خوش کیوں ہو۔؟"

میں بھلا کیا جواب دیتا۔؟ کیا یہ کہہ دیتا کہ میں تمہاری اس حسین بھانجی سے ملنے جا رہا ہوں جس کی دید میرے لئے سوکھے دھانوں میں پانی کے مترادف ہے۔ کیا یہ کہہ دیتا کہ میں اپنی تمناؤں کے گہوارے میں جا رہا ہوں! اپنی حقیر سے محبت کا تحفہ لے کر اس گل رو کی خدمت میں جا رہا ہوں جس کی نظروں میں شاید میری محبت کی کوئی وقعت نہیں۔ کیا یہ کہہ دیتا کہ اپنی پژمردہ زندگی کو مسرتوں سے ہمکنار کرانے لے جا رہا ہوں۔ اس لئے خوش ہوں؟

کیسے ناہید۔ کیسے کہہ دیتا۔؟

راستے میں اختر نے مجھے کافی دیر تک خاموشی سے دیکھتے رہنے کے بعد کہا۔"

"ساجد۔ میں تم سے ایک بہت ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔"

میں یکایک چونک اٹھا۔ "کیا۔ کیا بات ہے۔؟"

"ناہید میری بھانجی ضرور ہے۔ مگر تم بھی میرے لئے ایک حقیقی بھائی سے کم نہیں ہو۔"

"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔؟"

"یہی یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میری یہ دلی خواہش ہے کہ تم ہمیشہ کیلئے ناہید کے ہو جاؤ۔"

"یعنی۔۔؟" میری دھڑکن بڑھ گئی۔

"یہ آنکھ مچولی تو تم کھیل چکے۔ اب صاف صاف سامنے آجاؤ۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس سے بے حد محبت کرتے ہو۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ تم کیوں اسے اپنا نہیں بنا لیتے۔ تم سلسلہ جنبانی کرو۔ انکار کی غالباً اسے کوئی وجہ بھی نہ ہوگی۔"

"اختر۔! میری مسرت کا کچھ حساب نہ تھا۔

"تم میں ایک خامی ہے ساجد۔ تم بہت بذلہ سنج اور بہت بولنے والے ہو۔ مگر اس کے سامنے تم بالکل گونگے بن جاتے ہو، ارے احمق، لڑکیاں ایسے لڑکوں سے رام نہیں ہوتیں۔ تم کو چاہیئے کہ اُسے ہنساؤ اور خود بھی ہنسو۔"

میں خاموشی سے کھڑکی سے باہر گزرتے ہوئے کھیتوں کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ خود بھی بہت بیوقوف ہے۔ نہ جانے اسے کون سی چپ لگ گئی ہے، ہر وقت اکھڑی اکھڑی سی باتیں کرتی ہے۔ یوں لگتا ہے

جیسے کہ یہ وہ ناہید ہی نہیں ہے۔ بڑی عجیب بات ہے، اتنا عظیم تغیر ہو جائے گا، اس کا تو مجھے بھول کر بھی خیال نہ آیا تھا۔ خدا جانے خیالات کے کون سے تانے بانے بنتی رہتی ہے!"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحوں تک کچھ سوچتا رہا اور پھر آخر کار بولا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اسے پھر سے ہنسنا سکھا دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ خاموشی محض تمہاری وجہ سے ہو۔ یعنی میرا مطلب ہے کہ ممکن ہے اس کے دل میں تمہارا ابھی کچھ خیال ہو۔ اگر فرض کرو کہ ایسا نہیں ہے تو تمہیں اس کے دل میں یہ جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ اور یہ جذبہ تمہیں اس کی قربت ملنے سے پیدا ہو گا۔ اور یہ قربت اب تمہیں ملے گی۔ ساجد اب اسے تمہاری ہی ہو کر رہنا ہے۔ اس لئے اس کے دل میں اب تمہاری رہائش ضروری ہے۔ کیا سمجھ گئے۔؟"

"ہاں میں سمجھ گیا۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں اختر۔ تم وہ کر رہے ہو جو شاید دنیا میں کوئی دوسرا نہیں کر سکتا۔"

"احمق مجھے تیرا خیال مارے ڈالتا ہے۔ مجھے بہنیں اور بھانجیاں تو بہت مل جائیں گی۔ مگر تجھ جیسا دوست نہیں ملے گا۔ آج میں نے تم سے کافی کھل کر باتیں کی ہیں۔ تمہاری دلجمعی ہو گئی ہو گی۔ اب اگر میں نے تمہیں اداس یا آہیں بھرتا دیکھا تو یقیناً جان سے مار ڈالوں گا۔"

ہم دونوں پھر ہنسنے لگے۔ ہمارا پورا راستہ قہقہوں کے درمیان ہی

بیتا۔ صبح کے وقت ریل پہاڑوں کے سینے میں گھس کر کھڑی ہو گئی۔ برائے پور کا اسٹیشن تھا۔ تو گویا اب ہم رائے پور پہنچ گئے تھے۔ راستے میں مجھے اختر نے بتایا کہ آج اتوار ہے۔ تم اسکول نہیں گئی ہو گی اور گھر ہی پر موجود ہو گی۔ تمہارا مکان دیکھا تو یوں لگا جیسے میں کسی مقدس عمارت کا طواف کرنے آیا ہوں۔ تمہارے مکان میں باہر سڑک کی طرف ایک جھروکہ تھا۔ یہ جھروکہ مجھے بہت پسند آیا۔ اس جھروکے میں باریک ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ ہوا جب ان سے اٹھکیلیاں کرتی تو دھیرے دھیرے سرسراتے تھے۔ اسی جھروکے کے آڑ میں سے تم نے مجھے کافی عرصے بعد، بار بار دیکھا تھا۔

اختر جب اندر گیا تو اسی جھروکے میں سے مجھے باجی کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہے ساجد۔ مجھے تو نظر نہیں آتا۔؟"

میں انھیں نظر بھی کس طرح آتا۔ جھروکے کے نیچے دبکا ہوا کھڑا تھا۔ اختر مجھے بلانے کے لئے باہر آیا۔ دروازے ہی میں تمہارے چھوٹے بھائی بہن۔ سلیم اور شمو سے ملاقات ہو گئی۔ شمو بالکل تمہاری ہم شکل ہے۔ اسی لئے وہ مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ میں نے اسے خوب بھینچ کر پیار کیا۔ باجی سامنے سے آرہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی حیرت زدہ رہ گئیں۔ جب میں نے انھیں سلام کیا تو بولیں۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو تم۔ کمال ہے۔"

"آپ چاہتی تھیں کہ میں ننھا سا بچہ ہی رہوں ہمیشہ۔"

میں نے جواب دیا اور پھر وہ ہنسنے لگیں۔ میری نظریں بار بار تمہیں

تلاش کر رہی تھیں اور یہ تلاش رائیگاں نہیں گئی۔ میں نے دیکھا کہ تم کتابوں کی ایک ڈھیری ہاتھ میں لئے دوسرے سے دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ رہی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی تم کچھ ٹھٹھکیں اور پھر ایک انداز بے نیازی کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ میرا دل تمہارے اس انداز پر لوٹ کر رہ گیا۔ تمہارے لاثانی حسن کی ایک برق مجھ پر گری۔ مگر میں فوراً ہی سنبھل گیا۔

گھر کے سب افراد سے میرا تعارف کرایا گیا۔ مگر تم اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلیں۔ مجھے بتایا گیا کہ تم صرف کھانے کے لئے باہر آتی ہو اور پھر اپنے کمرے میں گھس جاتی ہو۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ میں سمجھا کہ شاید تم میرے آنے سے ناراض ہوئی ہو اسی لئے مجھ سے تمہارا یہ اجتناب ہے۔ میں تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لئے ترستا تھا۔ اور تم اندر کمرے میں بند تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میرا آنا تمہیں برا لگا ہے۔ تمہیں میری ذات سے اتنا سا بھی لگاؤ نہیں ہے۔ میں ہی بدبخت ہوں جو تمہاری یاد کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہوں۔ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔

— بے حد نفرت کرتی ہو۔ مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ اب اس گھر میں زیادہ دنوں تک رہوں۔

مگر کیا در حقیقت ایسا تھا۔ بے وفا ناہید! — تمہارے اس رویئے ہی نے مجھے تباہ کر دیا۔ تم اپنے گھر والوں کو فریب دیتی ہیں۔ مجھے فریب دیتی رہیں۔ انتہا یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو بھی فریب دیتی رہیں۔ تم پوچھو گی کیسے تو لو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ دو سال بعد جب میں ایک بار پھر تمہارے

گھر گیا اور تمہارے ہاں مقیم ہوا تو مجھے اتفاقاً تمہارے سامان میں سے ایک سچی کہانی مل گئی جسے تم نے شاید روز و کرزرات کی تنہائیوں میں بیٹھ کر لکھا تھا۔ یہ کہانی ایک طرح سے میرے سوالوں کا جواب ہے۔

یہ تمہاری کہانی ہے۔!

تمہارے دل کا آئینہ ہے۔!

وقت آگیا ہے کہ میں تمہاری لکھی ہوئی کہانی کو اب سب کے سامنے پیش کر دوں۔ کیونکہ میری داستان تمہاری اس کہانی کے بغیر ادھوری سی رہے گی۔ اور میرے پڑھنے والوں کو تمہاری کہانی کے پڑھنے سے تمہارا کردار سمجھ میں آجائے گا۔ میں تمہارا مجرم ہوں کہ تم سے بغیر پوچھے تمہاری تحریر شائع کر رہا ہوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ اس خطا کے لئے مجھے معاف کر دینا۔

تباہی اس سفینے کی نہ پوچھو
کنارے سے جو لگ کر ڈوب جائے

اس وقت میں کرسی سے لگی بیٹھی ہوں اور سامنے والے جھروکے کو تکے جا رہی ہوں۔ اس جھروکے سے وہ مٹیالے رنگ کی طویل پگڈنڈی نظر آ رہی ہے جو آگے جا کر پہاڑوں کی آغوش میں جا چھپتی ہے! - یہ پگڈنڈی پہلے کتنی جاذب نظر تھی! مگر اب کتنی اجاڑ اور بے کیف نظر آتی ہے، جیسے کسی بوڑھی عورت کی اجڑی ہوئی مانگ ہو۔ میں نے سنا تھا کہ پگڈنڈیاں ہمیشہ حسین ہوا کرتی ہیں اور ان پر ننھی منّی پازیبوں کی جھنکار گونجتی رہتی ہے، پیاری پیاری سی پنہارنوں کے باریک قہقہے بکھرتے رہتے ہیں۔

مگر کوئی مجھے بتائے کہ وہ سب کہاں گیا۔؟

وہ پازیبوں کی جھنکار۔ اور وہ نقرئی قہقہے۔ یہ سب غموں کی کونسی گرد میں جا کر چھپ گئے۔؟

وہ میری خودداری اور غرور ہی تھا نا جس نے اس پگڈنڈی پر آنے والے راہی کو جبیں پر شکنیں ڈال کر دیکھا تھا!

— ہاں یہ غرور ہی تھا، یہ خودداری ہی تھی۔ مگر خودداری بھی کیوں؟۔ یہ کم بخت جذبہ تو آج میرے دل سے ساجد کی یادوں نے فنا کر دیا ہے۔ میں ایک بے کراں سمندر میں تنہا غوطے کھا رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں اور اچھی طرح جانتی ہوں کہ ایک دن غم والم کے سمندر میں ہمیشہ کے لئے ڈوب جاؤں گی۔

میرے خدا وہ دن جلد کیوں نہیں آجاتا۔؟ میں کب تک اسی طرح سسکتی رہوں گی؟"

ہاں اسی پگڈنڈی پر وہ مجھے کئی سال بعد آتا دکھائی دیا تھا۔ سنسان سی پگڈنڈی پر چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ایک چھوٹی سی اٹیچی ہاتھ میں لئے وہ اختر ماموں کے ساتھ ہمارے گھر ہی کی طرف آرہا تھا۔ میں کھڑکی میں کھڑی بال ٹھیک کر رہی تھی کہ اچانک جھروکے سے گزرتی ہوئی میری نظر اس پر پڑی۔ پہلی نظر میں تو میں اسے پہچان ہی نہ سکی۔ کون ہے یہ؟۔ چند لمحوں کے لئے یہ سوال میرے ذہن میں کلبلاتا رہا۔ اور پھر اچانک اُسے کافی قریب سے دیکھنے کے بعد میں سہم گئی۔۔ یہ ساجد ہے! وہی ساجد جو شرمیلا سا گونگا لڑکا تھا اور اب ایک خوبصورت اور وجیہہ مرد بن گیا ہے کیا یہ وہی ساجد ہے؟ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ مگر میں حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتی تھی۔ وہ ساجد ہی تھا۔ مگر اس ساجد میں جسے میں نے

آج سے تقریباً دو سال پہلے دیکھا تھا کتنا فرق تھا۔ وہ ایک ننھی سا لڑکا تھا جو شرمایا شرمایا ماموں کے پاس آتا اور پھر خاموش بیٹھ کر مجھے لگاتار تکے جاتا۔ بالکل بچوں کی سی باتیں کرتا تھا وہ۔ اس کی نظروں سے میں نے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ شاید وہ مجھے چاہنے لگا ہے۔ مگر یہ کیسی چاہت تھی۔؟ معمولی سی شکل و صورت کا لڑکا! بیوقوفوں جیسی باتیں کرنے والے اس لڑکے کا خیال میں اپنے دل میں کس طرح لا سکتی تھی؟ مجھے اس سے اتنی سی بھی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ برابر میری ناز برداری میں لگا رہتا تھا اور میں ہمیشہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتی تھی۔ میں کسی صورت سے اس سے محبت نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو خود بخود دل میں کار فرما ہو جاتا ہے۔ مگر میرے ساتھ ایسا نہیں تھا۔ میں ہمیشہ اس سے تغافل برتتی رہی۔!

اور یہی ساجد ایک عجیب روپ میں اب میرے جھروکے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی شکل اور جسم کی ساخت میں نمایاں تبدیلی ہو گئی تھی۔ اور وہ ایک شان بے نیازی کے ساتھ کھڑا ہوا جھروکے کو دیکھے جا رہا تھا میں جلدی سے وہاں سے ہٹ کر سامنے والے کمرے سے کتابیں لینے چلی گئی۔ گھر میں سب مجھے ضدی، مغرور، اور گونگی کہتے تھے۔ اور اب بھی کہتے ہیں۔ میں سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنے کمرے میں بند ہو کر کہانیاں لکھتی رہتی تھی۔ ناشتے اور کھانے کے لئے کبھی کبھار ڈرائنگ ہال میں چلی جایا کرتی تھی ورنہ اپنی افتاد طبع سے مجبور ہو کر بعض اوقات تو یہ

سب کچھ مجھے اپنے کمرے ہی میں منگانا پڑتا تھا۔ میرا ننھا بھائی سلیم مجھے کتابی کیڑہ کہتا ہے۔ ٹھیک ہے، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔!"

مگر اب جب یہ بات یاد آجاتی ہے تو دل پہ سانپ سے لوٹ جاتے ہیں۔ کاش میں کتابی کیڑہ نہیں بلکہ چمن چمن لہلہاتے ہوئے پھولوں پر اٹھکیلیاں کرتی ہوئی ایک تتلی ہوتی۔! کاش میں ایک بند کمرے کے گلدان میں کھلے ہوئے پھول کی بجائے، گلستاں میں چٹکی ہوئی ایک نو شگفتہ کلی ہوتی جس پر بھنورا بار بار آکر منڈلاتا۔!

میرے معبود۔! یہ میں نے کتنا بڑا ظلم کیا تھا خود پر۔؟

بھنورا تو آیا تھا۔ گنگناتا ہوا آیا تھا۔ مگر تنگ و تاریک کمرے کے پھول تک آنے کے لئے اس کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ راستے بند تھے اور پھول اسے دیکھ کر محبت سے تھرتھراتا نہیں تھا۔!

اُف یہ کیسی بے چینی ہے اللہ۔! یہ یادیں کیسی ہیں جن کے نقوش دل پہ اتنے گہرے پڑگئے ہیں کہ مٹائے نہیں مٹتے۔ سوچتی ہوں کہ کیا یادوں ہی کو میری قسمت بننا تھا۔! ویسے اب ان یادوں کے سہارے ہی میں جی بھی رہی ہوں ورنہ کبھی کی ظلمتوں کی آغوش میں چھپ گئی ہوتی۔ یہ یادیں تو اب میرا سب سے بڑا سرمایہ ہیں۔!

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ درحقیقت وہ پسا جا رہا ہے اور ماموں

کے بلاوے پر ان کے ساتھ دسہرے کی چھٹیاں گزارنے ہمارے ہاں آیا ہے، ماموں کے دوستوں سے مجھے کبھی دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ نک چڑھے سے، خود کو نمایاں کرنے والے اور گھنٹوں آئینے کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے والے لڑکوں کو دیکھ کر مجھے بڑی کوفت ہوتی، یہ کیسے مرد ہیں جنہیں کنگھی چوٹی ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ لیکن ساجد ان سب سے جدا تھا۔ پہلے کی بات تو خیر اور تھی۔ ہاں البتہ اب اس کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رقصاں رہتی۔ ایسا لگتا تھا جیسے ایک بہت ہی شرارتی بچہ ہو۔ اس کی مسکراتی ہوئی لگاہوں میں اداسی کا اننا سا بھی تو اندھیرا نہ تھا۔ وہ بچوں میں بچہ بنا رہتا اور بزرگوں میں بزرگ امی تو اس پر پروانہ وار فدا تھیں۔ انھوں نے اسے اپنا چھوٹا بھائی بنا رکھا تھا اس لئے اس کے آگے بچھی جاتی تھیں۔ امی کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کے باوجود بھی وہ ادھر اُدھر برابر دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ شاید وہ مجھے دیکھنا چاہ رہا ہے۔ کتابیں سنبھالتی ہوئی میں اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔ ایک بار نظر اٹھا کر اسے دیکھا اس کی نظریں خاموشی سے میرا جائزہ لے رہی تھیں۔ میرے قدم من من بھر کے ہو گئے۔ ایک لمحہ کے لئے میں ٹھٹھکی اور پھر جلدی سے اپنے کمرے میں پہونچ کر کواڑ بند کر لئے۔

وہ شاید مسکراتا ہی رہا تھا —!

جلد ہی بچوں نے اسے گھیر لیا۔ اس نے جیب سے ٹافیاں نکال کر انھیں دیں اور پھر بچے اس سے مانوس ہو گئے۔ مجھے اس کی ہنسی ایک

ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔ میری طبیعت سکون پسند ہے۔ تنہائی مجھے زیادہ اچھی لگتی ہے۔ مگر اس کے آجانے سے معلوم ہوتا تھا کہ شاید کوئی طوفان آگیا ہے؟ ۔ عجیب سی ہڑبونگ مچ گئی تھی۔ جیسے دیکھو بری طرح چلا رہا ہے اور پیٹ پکڑے ہوئے ہنس رہا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے کمرے کے کواڑ نہیں کھولے۔ اگر کھول لیتی تو آوازیں اور تیز آتیں اور یہ آوازیں یقیناً میری سماعت پر بار ہوتیں۔

شاید اس نے ماموں سے کہا ہو گا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے، جبھی وہ اسے لے کر میرے کمرے کی طرف آئے، دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں قدموں کی چاپ سن کر دروازے کے نزدیک آگئی۔ یونہی۔ حالانکہ میری کوئی خواہش نہ تھی کہ ان دونوں کی باتیں سنوں۔ مگر غیر ارادی طور پر وہ باتیں میں نے سن ہی لیں۔ ماموں نے جب دروازہ بند دیکھا تو وہیں ٹھٹھک گئے۔ مگر وہ بولا۔

"یار دروازہ تو بند ہے۔۔؟"

"شش !۔" ماموں غالباً منہ پہ انگلی رکھ کر بولے۔

"کیوں۔ کیا بات ہے ؟"

"با ادب با ملاحظہ ہوشیار۔ یہ جائے ادب ہے، شور نہ ہو"

مجھے شکل سے تو دکھائی نہ دی مگر بھنبھناہٹ سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ رک کر کچھ کہہ رہا ہے۔

"کیا بات ہے۔؟"

"اماں خاموش رہو ورنہ تمہاری مصیبت آجائے گی۔" ماموں نے اپنے طور پر آہستہ سے کہا۔ مگر آواز اتنی بلند تھی کہ محلّے والے بھی سن لیں۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ مجھے ستانے اور جلانے کے لئے ہی وہ تیز لہجہ میں بول رہے ہوں۔"

"کیوں مصیبت کیوں آجائے گی۔؟"

"اماں تم دسہرے کی چھٹیوں میں آئے ہو نا۔ تو سمجھ لو کہ ہماری اس کوٹھی میں بھی تماشہ کھیلا جاتا ہے۔"

"تماشہ کھیلا جاتا ہے!"

"ہاں۔ رام لیلا کا تماشہ۔"

"رام لیلا کا تماشہ۔!"

"ہوں۔ اور رام لیلا کا ایک کردار یعنی راون اس کمرے میں بند رہتا ہے ہمیشہ۔"

غصّے کے مارے میرا برا حال ہو گیا۔ میں اندر ہی اندر کھولنے لگی۔ اُف یہ اختر ماموں۔ خدا ان سے سمجھے۔

"راوُن۔! یعنی۔" وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔

"اماں ہاں یار۔ ناہید کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ وہ کسی راون سے کم تھوڑی ہی ہے۔ لیڈی راون کہو۔"

"لیڈی راون۔؟ وہ بے ڈھنگی ہنسی ہنسا۔

"ہاں۔ اور یہ راون ہر وقت بسورتا رہتا ہے۔ پیشانی پر ہزاروں

سلوٹیں پڑی رہتی ہیں۔ ناک پر یہ موٹی فلسفیوں کی سی عینک لگی رہتی ہے اور ہمیشہ غرور کے باعث آسمان کو تکتے ہوئے چلتا ہے۔"

ساجد یہ سن کر بری طرح ہنسنے لگا اور میں اپنی اس تذلیل پر بری طرح جل گئی۔ تب ہی مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ اس کے آجانے کے بعد ہی اختر ماموں کو مجھے چھیڑنے کی ہمت ہوئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ بھیگی بلی بنے رہتے تھے!"

آسمان پر چاند نکل کر پوری کائنات پر ٹھنڈی روشنی کی بارش کر دیتا ہے۔ اس روشنی میں بہتیرے دلوں کے کنول کھل جاتے ہیں اور ہزاروں دلوں میں امنگ پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر میرے دل کا یہ کنول اس وقت کیوں مرجھایا ہوا سا تھا؟۔ خدایا اگر میں آغاز ہی میں اس غرور و نخوت سے دامن چھڑا لیتی تو یقیناً میرا یہ دامن اس کے ہاتھوں میں ہوتا۔

لیکن کیا ایسا ہوا۔؟

کوٹھی کے باغ میں کھانے کی میز بچھا دی گئی تھی۔ ننھی شمو جب مجھے وہاں بلا کر لے گئی تو میں نے دیکھا کہ ہلکی ہلکی ملگجی روشنی میں سب کھانے کی میز کو گھیرے بیٹھے ہیں۔ اختر ماموں نے مجھے اپنے قریب بٹھا لیا۔ ان کے برابر ہی ساجد بیٹھا ہوا مجھے بغور تک رہا تھا۔ تب مجھے کتنی مسرت ہوئی

تھی! ۔ میرے حسن کی کتنی خاموش داد دے رہا تھا وہ ۔ نوالہ منہ میں رکھنے کی بجائے وہ اسے ابھی تک احمقوں کی طرح تھامے ہوئے تھا ۔ احساس مسرت سے میں اور تن گئی اور بھولے سے بھی ایک بار اس کی جانب نہ دیکھا ۔

"ناہید تم ان سے نہیں ملیں ۔ اختر ماموں نے کہا ۔" ارے بھئی یہ ساجد ہے ، دیکھو کتنا بڑا ہو گیا ہے ۔ !"

"تسلیم ۔" بغیر اس کی طرف دیکھے میں نے کہا ۔ مگر اس نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا ۔ دیا بھی تو شاید اتنی آہستگی سے کہ میں سن نہ سکی وہ مجھے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ سلام کا جواب بھی ڈھنگ سے نہ دے سکا ۔ میں دل ہی دل میں اس کی اس وحشت سے لطف اندوز ہوتی رہی ۔

کھانے کے دوران امی اور ابا نے اس سے سیاست پر گفتگو شروع کر دی ۔ اس کی باتوں میں اتنی مٹھاس تھی کہ مجبوراً مجھے وہ باتیں سننی پڑیں ۔ نہایت خشک موضوع پر وہ بڑی فصیح باتیں کر رہا تھا ۔ جب یہ باتیں ختم ہوئیں تو وہ اختر ماموں سے سرگوشی کرنے لگا ۔ میرے کانوں میں بھی ہلکی سی بھنک پڑی ۔

"واقعی اختر اب تو یہ بالکل رادن لگتی ہے ۔ ؟"

"ہوں ۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا ۔" اختر ماموں میری طرف دیکھ کر مسکرائے ۔"

"مگر یہ تو اچھی خاصی ہیں یار۔ تم نے یوں ہی افواہ اڑا رکھی تھی۔ اگر یہ راون ہیں تو پھر راون کی مونچھیں کہاں گئیں؟ اور وہ ڈھیر سارے سر کہاں غائب ہو گئے؟۔۔"

میں نے اسے گھور کر دیکھا مگر وہ مجھے دیکھ ہی نہیں رہا تھا جو ان نگاہوں کی برہمی سے مرعوب ہوتا۔ آخر ماموں نے اسے پھر ٹھوکا دیا۔ مگر وہ اسی بے نیازی کے ساتھ دوبارہ کھانے میں مشغول ہو گیا لیکن تھا بڑا ڈھیٹ۔ کچھ ہی دیر بعد امی سے کہنے لگا۔

"باجی آپ کا یہ قصبہ ہے بہت شاندار۔"

"اور نہیں تو کیا۔ بڑا خوبصورت ہے۔۔"

"مگر یہاں کے کچھ لوگ تو بالکل ہی غیر شاندار ہیں۔۔" معلوم ہوتا کہ جانتے ہی نہیں مسکراہٹ کس چڑیا کا نام ہے۔۔ بیزاری صورت سے ٹپکتی رہتی ہے۔ ذرا نظر اٹھا کر دیکھو تو مارنے کو دوڑتے ہیں۔۔"

میرا خون کھول رہا تھا۔ مگر بے بس تھی۔ کیا کر سکتی تھی؟

"نہیں بھئی ایسا تو نہیں ہے۔ کافی اچھے لوگ ہیں۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟" امی کو بھلا کیا معلوم!

"ہیں ایک صاحب۔ کافی پرانی جان پہچان ہے۔۔" اس نے دزدیدہ نظر سے مجھے دیکھا۔"

ابا کی عادت ہے کہ وہ ذرا الٹے دیئے رہتے ہیں۔ اس لئے کھانا کھا چکنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں اٹھ کر چلے گئے۔ مگر اس کی اور

بن آئی۔ امی سے پھر کہنے لگا۔
"باجی آپ کے اس قصبے میں رام لیلا نہیں کھیلی جاتی۔؟"
"کیوں نہیں کھیلی جاتی۔!"
"میں نے سنا ہے کہ اس میں راون کا پارٹ ایک محترمہ کرتی ہیں!"
"اچھا۔! یہ مجھے نہیں معلوم"
"خیر صاحب راون تھا بہادر آدمی۔ بڑی شان بے نیازی سے چلتا تھا۔ دوسروں کو بہت کم دیکھتا تھا۔ بس اپنی ہی دھن میں مست رہتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا اس سے ڈرتی تھی۔ میرے سامنے ہوتا تو پتہ چلتا اسے کہ کون کس سے ڈرتا ہے!"
"پتہ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔" امی ہنس دیں۔
مگر وہ سراسر بکواس کر رہا تھا۔ میری حالت یہ تھی کہ میرے ہاتھ رکے ہوئے تھے، نہ تو کوئی نوالہ اٹھاتی تھی نہ اسے منہ میں رکھتی تھی۔ غصے کے باعث میں اتنی بے بس ہو گئی تھی کہ مجھے خود بھی معلوم نہ تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے؟
"باجی ہمارے کالج میں ایک صاحبہ ہیں" جو کالج کے ڈراموں میں راون کا کام کرتی ہیں۔ ان کی بینائی بھی کمزور ہے۔ بالکل ناہید کی طرح عینک لگاتی ہیں۔"
میں نے اسے پھر گھورا۔ مگر وہ مجھے دیکھ ہی نہ رہا تھا جو چپ ہوتا۔
"اور باجی پارٹ کرتے وقت عجیب باتیں کرتی ہیں وہ۔ سیتا کی طرف بڑھنے کی بجائے کسی راکشش کو سیتا کہہ کر جھپٹ جاتیں۔ ہی ہی ہی۔ ہی ہی"

ہنسنے کا حالانکہ کوئی موقع نہ تھا۔ مگر اپنی اہمیت جتانے کے لئے وہ بری طرح ہنسا۔ امی اور ماموں تو اس کے گرویدہ تھے ہی اس لئے وہ بھی ہنسنے لگے اور ان کے ساتھ بچے بھی اس ہنسی میں شریک ہو گئے۔ صرف میں ہی خاموش تھی۔ اور خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ اب مجھے اس کی یہ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی بے تکلفی بہت بری لگ رہی تھی۔

"مگر اس کے باوجود کام بہت اچھا کرتی تھیں۔ میں تو یہی سوچتا رہتا ہوں کہ شاید خدا نے انھیں مسکرانا ہی نہیں سکھایا۔ ہنسی کے نام سے تو وہ آشنا ہی نہیں ہیں۔ کیوں اختر، تم نے تو دیکھا ہے انھیں۔؟"

"ہاں دیکھا ہے۔" اختر ماموں کے حلق میں نوالہ پھنس گیا۔

اب کے میں اپنی یہ تذلیل برداشت نہیں کر سکی ایک بار میں اسے پھر بری طرح گھورا اور کھانے کی میز سے ہٹ گئی۔ کتنا بے غیرت تھا وہ میرے سامنے ہی میری بے عزتی کر رہا تھا۔ میرا تو خیال ہے کہ شریر نوجوان ہمیشہ بہت معصوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ۔ میرے اللہ۔ اختر ماموں تو اسکے آگے پانی بھرتے دکھائی دیتے تھے!"

کسی نے کہا ہے زندگی بڑی حسین شے ہے!۔ لیکن میں کیسے مان لوں کہ زندگی حسین ہوتی ہے!۔ دن بھر جھروکے میں کھڑی پگڈنڈی پر بے مدعا نگاہیں جمائے رکھتی ہوں۔ میری آنکھوں میں لاوا کھولتا رہتا ہے۔ میرے دل میں ہزاروں نشتر چبھتے رہتے ہیں ہر وقت۔ یہ زندگی

ہے کیا؟ ۔ اسے ہی جینا کہتے ہیں ! ۔ اگر یہی زندگی ہے تو پھر کیوں مجھے وہ بیتے دن یاد آتے ہیں ۔ کیوں ندی کا تصور میں گھومتا ہے ؟ ۔ میرے اللہ ! کوئی صورت ایسی نہیں کہ یہ دل خراش یادیں میرے دل ودماغ سے چھین لی جائیں ۔ !

سرمئی رنگ کی گھٹائیں زمین پر سایہ فگن تھیں ۔ اس سرے سے اُس سرے تک کالے کالے بادل پھیلے ہوئے تھے اس دن ہم سب ندی کے کنارے پک نک پر گئے تھے ۔ پہاڑوں کے دامن میں ایک گنگناتی ہوئی ندی تھی ۔ جنت کا ایک حسین ٹکڑا سمجھو ۔ ندی سے کچھ ہی فاصلے پر ایک خوبصورت جھیل تھی اور اس جھیل میں مرغابیاں بہت ملتی تھیں ۔ یہی جگہ ہم لوگوں نے پک نک کے لئے پسند کی ۔ ہمارے ساتھ خلیل بھی تھا ۔ خلیل پڑوس میں رہتا تھا اور بچپن ہی سے ہمارے یہاں آیا جایا کرتا تھا ساجد نے اسے خوب غور سے دیکھا ۔ اور میں فوراً اس کی نظروں میں چھپے ہوئے سوال کو جان گئی ۔ وہ خلیل کو اپنا رقیب تصور کر رہا تھا ۔ میں نے سوچا چلو اچھا ہے ۔ خوب بڑھ کر باتیں بنا رہا ہے ذرا اس کے دل پر بھی تو چوٹ لگے ! ۔

اس دن وہ سفید بش شرٹ پر سفید پینٹ پہنے ہوئے تھا ۔ ایمان کی بات ہے کہ اس وقت کافی اچھا لگ رہا تھا ۔ مگر میری نظروں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی ۔ میں پہلے ہی جلی بھنی بیٹھی تھی اس لئے اس سے بالکل لاتعلق سی رہی ۔ ایک درخت کے نیچے سامان رکھنے کے بعد سب تتر بتر ہو گئے ۔

ابا مچھلی پکڑنے کے لئے ہم سے بہت دور ندی کے کنارے جا کر بیٹھ گئے۔ اور امی بھی وہیں چلی گئیں۔ اختر ماموں خلیل کے ساتھ جھیل میں مرغابی مارنے گئے۔ میں درخت کے نیچے بیٹھ کر اسٹو جلانے لگی اور وہ شمو، عذرا اور سلیم کو گھیر کر بیٹھ گیا۔ چند اوٹ پٹانگ قسم کی کہانیاں سنانے کے بعد اس نے بچوں کو اتنا مانوس کر لیا کہ اب وہ میرا ذرا سا بھی کہنا نہ سنتے تھے۔ میں ان سے کوئی چیز مانگتی یا کوئی سامان لانے کے لئے کہتی تو وہ فوراً حمایت لیتا۔

"اماں تم کہانی سنو۔ وہ خود ٹوکری اٹھا لائیں گی۔"

"ارے شمو ندی کی طرف بالٹی دھونے مت جانا۔ بہت بڑے بڑے کچھوے رہتے ہیں اس میں۔"

آخر میں نے سوچ لیا کہ نہ اس سے بولوں گی اور نہ ہی بچوں سے کوئی چیز مانگوں گی۔ سب کام میں نے خود ہی کر لئے اور وہ اسی انداز سے بچوں سے ہنستا بولتا رہا۔

"شمو! تمہیں معلوم ہے کہ یہ کالے کالے بادل کہاں سے آتے ہیں؟"

"اوں ہوں۔" شمو نے گردن ہلا دی۔

"چچ چچ! اتنی سی بات نہیں جانتیں۔ ارے بھئی یہ بادل تھوڑے ہی ہیں۔"

"پھر کیا ہیں ساجد بھیا؟" سلیم ایک دم بے تاب ہو گیا۔

"دیکھو بات یہ ہے۔۔" اس نے مجھے دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "یہ جو ہماری دنیا ہے نا۔ اس دنیا میں ایک پریوں کا دیس ہے اور اسی

دور دیس میں ایک پیاری پیاری گڑیا جیسی شہزادی رہتی ہے۔ یہ بادل جو ہیں دراصل اسی کے لمبے لمبے اور معطر بال ہیں۔ اس کی نشیلی آنکھوں کی سیاہی ان میں آکر گھل گئی ہے۔!"

اسٹوو میں ہوا ابھرتے ہوئے میرے ہاتھ کپکپانے لگے۔

"اور کبھی یہ ہوا جو دھیرے دھیرے چلتی ہے نا۔ اسی شہزادی کی چال سے سیکھا ہے ہوا نے یوں چلنا۔ اور دیکھو یہ سیب جو اس وقت ہم کھا رہے ہیں اصل میں اسی شہزادی کے گالوں سے انہیں سرخی ملی ہے اور....."

"شمو۔ دیکھو ابا نے شاید کوئی مچھلی پکڑی ہے۔" میں نے گھبرا کر بات کا رخ پلٹنے کی کوشش کی۔

"اور شمو۔" وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔ "ابھی ابھی تم نے کوئل کی آواز سنی ہے نا۔ پیڑ پر بیٹھی ہوئی اس کوئل کی سریلی آواز بھی اسی شہزادی کی آواز سے ملتی جلتی ہے۔"

"عجیب شہزادی ہے۔" سلیم درمیان میں بول اٹھا۔ "جانوروں جیسی آواز ہے اس کی؟"

"بھئی ہیں تو اسے جانور نہیں کہہ سکتا۔ بے چاری فوراً برا مان جائے گی!"

"شمو۔ ابا سے مچھلی لے آؤ۔ میں جلدی سے تل دوں گی۔" میں نے ایک بار پھر ان دونوں کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ رو دوں۔ مگر شمو نے میری بات پر توجہ دیئے بغیر حیرت زدہ لہجے میں اس سے کہا۔

"اچھا۔! مگر بھیا وہ شہزادی رہتی کہاں ہے۔؟"

"کہاں رہتی ہے۔ کہاں رہتی ہے؟" اس نے سوچنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "رہتی تو کہیں نہیں بھئی۔ بس یہیں آس پاس ہی رہتی ہے۔ ایک ٹھکانہ اس کا اور ہے۔"

"وہ کون سا؟" شمو کو پھر حیرت ہوئی۔

"ایک صاحب ہیں، بیچارے بالکل احمق ہیں۔ تین سال سے ایک بت کو پوجتے چلے آرہے ہیں۔ مگر بت جو ہے وہ رام ہو کر ہی نہیں دیتا۔ دلی سے آیا کرتے ہیں اور تمہارے اختر ماموں جو ہیں نا، ان کے بہت گہرے دوست ہیں۔"

"اچھا! تو کیا ان کے گھر میں رہتی ہے وہ شہزادی۔؟"

"گھر میں نہیں۔ بلکہ ان کے دل میں۔۔" اس نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔"

مجھے بڑا طیش آرہا تھا اور شاید غصہ کی وجہ ہی سے میرا چہرہ بھی سرخ ہو گیا ہو گا، جبھی اس نے کہا۔

"تم جانتی ہو نا شمو کہ ہم تصویریں بنایا کرتے ہیں۔!"

"ہاں ہاں۔"

"بھئی ہم نے ہر قسم کے رنگ دیکھے، لال، گلابی۔ سرخ۔ مگر ایک رنگ ان سب سے نرالا ہی ہے۔"

"کون سا؟" سلیم نے پوچھا۔

"اسی شہزادی کے چہرے کا رنگ۔ معلوم ہوتا ہے اسکارلٹ رنگ کی

بوتل بس اب چھلکی اور اب چھلکی۔"

"تو یہ شہزادی نہ ہوئی عجوبہ ہو گئی۔" شمو پریشان ہو گئی تھی۔

"ارے عجوبہ ہی تو ہے۔ اتنی پیاری ہونے کے باوجود....." اس نے مجھے دیکھا۔ میں اسے گھور رہی تھی۔ اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر میں نے جلدی سے نگاہیں نیچی کر لیں۔ "اتنی پیاری ہونے کے باوجود وہ ہے بڑی غصیلی۔ ہر وقت کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ اتنا بڑا منہ لٹکا رہتا ہے ہمیشہ۔ خدا جانے کیوں ناراض ہے۔ ایک بات اور ہے۔"

"کیا۔" سلیم کو بڑی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

"بیچاری کی بینائی کمزور ہے۔ تمہاری ناہید آپا کی طرح عینک لگاتی ہے اس لئے کسی کے دل میں جھانک نہیں سکتی۔"

غصے کے مارے میرے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ آخر کوئی کہاں تک ضبط کرے؟ میں پتھر دل تو نہیں تھی مگر وہ مجھے برابر جلائے جا رہا تھا۔ اسٹوو کمبخت ابھی تک نہیں جلا تھا۔ جب کبھی شعلہ بھڑکنے کے قریب ہوتا، ہوا آ کر اسے بجھا دیتی۔ وہ بڑی توجہ سے مجھے اسٹوو جلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔ میرا خون کھولنے لگا۔ خجالت مٹانے کے لئے میں نے چیخ کر بچوں کو آواز دی۔

"وہاں کیا کر رہے ہو بدتمیزو۔! یہاں آؤ۔"

اس نے دور کھڑے کھڑے مصنوعی تعجب سے کہا۔

"کیا آپ نے مجھے بدتمیز کہا۔؟"

جی نہیں ۔،، میں نے بڑے تیز لہجے میں جواب دیا۔
بچے سہمے ہوئے میرے پاس آ گئے۔ ان کے ساتھ ہی وہ بھی سیٹی بجاتا ہوا آیا۔ بچے میرا ہاتھ بٹانے لگے اور وہ درخت کے تنے سے سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ میں پھر اسٹو دیں ہوا بھرنے لگی اور بچے اسٹوو کے قریب کھڑے ہو گئے تاکہ ہوا کا جھونکا اسٹوو کو نہ لگے۔ اس نے جیب سے چند ٹافیاں نکالیں اور پھر انھیں دور پھینک کر بولا۔
"کون ہے جو سب سے پہلے ٹافی لے کر آئے۔؟
بچے اٹھنے لگے تھے کہ میں نے انھیں ڈانٹا۔
"بیٹھے رہو۔ خبردار جو ہلے، ورنہ بری طرح ماروں گی۔،،
میں اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ کسی بہانے سے بچوں کو اسٹوو سے دور ہٹانا چاہتا تھا۔ تاکہ اسٹوو جل نہ سکے۔ میں اسی طرح پریشان ہوتی رہوں اور وہ میری اس پریشانی سے لطف اندوز ہوتا رہے۔ بچے سہم گئے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ سے ڈرتے تھے، اس لئے خاموش بیٹھے رہے، یہ دیکھ کر کہ اس کی ٹافیاں بیکار ہی گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ اس طرف انھیں چننے کے لئے جانے لگا۔ اور میں اسے جاتے دیکھتی رہی۔ اس کی چال میں وہی بے نیازی تھی۔ اگر وہ سیدھے منہ مجھ سے بات کر لیتا تو میں یقیناً اسے جواب دے دیتی۔ میں اس سے جلتی نہیں تھی۔ آخر اس سے پہلے بھی میں نے اس سے باتیں کی تھیں۔ مجھے اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی جو اس قسم کا برتاؤ کر رہی تھی۔ مگر میرا برتاؤ ایک حد تک اس کے برتاؤ کا

رہینِ منت تھا۔

ٹافیاں چھننے کے بعد جب وہ ادھر آنے لگا تو میں جلدی سے نظریں چرا کر پھر اسٹوو کو جلانے لگی۔ میرے قریب آکر اس نے نہایت اخلاق سے کہا۔

"آپ کی اجازت ہو تو میں بچوں کو یہ ٹافیاں دے دوں۔؟"

"دے دیجئے۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

میں نے دیکھا کہ وہ زیرِ لب مسکرا رہا تھا۔ بچوں کو ٹافیاں دینے کے بعد اس نے پھر مجھ سے کہا۔"

"اگر آپ کی دوبارہ اجازت ہو تو میں ایک ٹافی آپ کو بھی دیدوں؟"

"جی نہیں۔ شکریہ!۔ میں نے جل کر جواب دیا۔

بچے ہنسنے لگے اور وہ بھی مسکراتا ہوا دوبارہ درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اور پھر کچھ دیر بعد بولا۔

"شمو۔!"

"جی۔"

"موسم بہت حسین ہے۔ تم کہو تو تمہیں کوئی گانا سناؤں۔"

"ارے بھیا آپ گانا بھی جانتے ہیں۔!" سلیم نے کہا۔

"بھئی ہمیں کیا نہیں آتا۔ سب کچھ آتا ہے۔ بس ایک نہیں آتا تو روٹھے ہوئے لوگوں کو منانا۔"

"اچھا تو گانا سنائیے۔"

کچھ دیر تک مشاق گویوں کی طرح وہ سُر تال لیتا رہا اور پھر بڑی

درد بھری آواز میں گانے لگا۔

جلنے والے تجھ کو کیا ان کو خبر ہو یا نہ ہو
تو بھرے جا آہیں اُن پر کچھ اثر ہو یا نہ ہو

میرے اللہ! وہ کیسے امتحانی لمحات تھے۔ میرے سینے میں بھی دل تھا۔ یہ سوچ کر کہ مبادا یہ دل اس کی سحر انگیز آواز سے مسحور ہو جائے اور میں اپنے ارادوں سے شکست کھا جاؤں۔ میں نے دل کی بے قراری کم کرنے کے لیے بلا وجہ شمو کو ڈانٹا۔"

"کیا کر رہی ہے شمو کی بچی۔ وہاں درخت میں کوئی لعل جڑے ہیں جو ادھر دیکھ رہی ہے۔ کڑھائی نکال تھیلے میں سے۔!"

بستیوں سے دور بانہیں کھینچ کر لاتا ہے دل
کیا پتہ دیوانہ پن کبھی کارگر ہو یا نہ ہو!
موت تیری زندگی ہے زندگی ہے تیری موت
تجھ کو کیا ایسے بسر ویسے بسر ہو یا نہ ہو
جلنے والے تجھ کو کیا ان کو خبر ہو یا نہ ہو
تو بھرے جا آہیں ان پر کچھ اثر ہو یا نہ ہو

میرے دل میں یکایک ایک خواہش پیدا ہوئی۔۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کم بخت پر مٹی کا تیل چھڑک کر اچھی طرح جلا دیتی۔ مگر وہ اس قدر ڈھیٹ تھا کہ اب میں اس سے مرعوب ہونے لگی تھی۔ ورنہ میں وہی تو تھی جس کو دیکھ کر اختر ماموں کبھی بڑے ہونے کے باوجود

کانپتے تھے!۔ وہ باتیں بڑی عجیب کرتا تھا۔ ہر بات کو گھما پھرا کر بیان کرتا تھا۔ ورنہ یہ وہی تو ساجد تھا جس سے ایک سیدھی سی بات کبھی زبان سے نہ نکلتی تھی!۔ اندرونی طور پر دل اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔ لیکن جی چاہتا تھا کہ وہ اسی انداز سے میرے سامنے گڑگڑاتا رہے۔ التجائیں کرتا رہے، اور میں ان التجاؤں کو ٹھکرا دوں۔ ایسے کرنے سے مجھے ایک عجیب سی خوشی ملتی تھی۔ اس لئے دل چاہتا تھا کہ اس کے سامنے ہمیشہ اسی طرح سنجیدہ رہوں۔

گانا گا چکنے کے بعد وہ خاموشی سے مجھے تک رہا تھا۔ اس کی نظروں کی گرمی سے میرا دل پگھلنے لگا۔ چند پلیٹیں میلی تھیں اس لئے بہانے کے طور پر میں غصے میں بھری ہوئی انھیں دھونے کے لئے ندی کی طرف بڑھی۔ میرے تیز قدم جیسے ہی وہاں پڑے، میں بری طرح گری۔ اللہ کتنی شرمندگی ہوئی تھی مجھے اس وقت!۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا وہ بچوں کے کانوں میں کھسر پُسر کر رہا تھا۔ مجھے اپنی طرف گھورتے دیکھ کر گھبرا گیا اور بولا۔

"یقین مانئے، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ آپ کب گریں۔"

اس اس بات پر مجھے ہنسی آگئی۔ مگر اس ہنسی کو میں نے اس کی نظروں سے چھپا لیا۔ وہ بچوں سے پھر کان میں کچھ کہنے لگا۔ جب پلیٹ دھو کر میں واپس آنے لگی تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بچے میرے قدموں

سے قدم ملا کر لیفٹ رائٹ کر رہے تھے۔ جب میں درخت کے نیچے پہنچ گئی تو وہ سلیم سے کہنے لگا۔

"سلیم میاں ایک نصیحت کی بات سنو گے۔"

"جی ہاں ضرور۔"

"تم دھان پان سے تو آدمی ہو۔ ہر وقت اگر اکڑ فوں میں رہے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ ہاں۔"

"سمجھ گیا ساجد بھیا۔"

"ڈکٹیٹر بننا بہت بری بات ہے بھئی۔ ہٹلر جلدی جلدی چلا تھا۔ لیفٹ رائٹ کرتا ہوا، مگر کتنے جلدی گر پڑا۔ ہے نا! اگر ہماری مانو تو ہر کام آہستہ کیا کرو۔ سمجھے؟"

نہ سمجھتے ہوئے بھی سلیم نے کہہ دیا۔ "سمجھ گیا۔"

اسٹوو ابھی تک نہیں جل سکا تھا۔ میں کوشش کرتے کرتے عاجز آگئی اور وہ اتنا بے غیرت تھا کہ میرا ہاتھ بٹانے کی بجائے ملہار گاتا رہا۔ میرے ہاتھ تھک گئے تھے۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں اس ورزش سے بالکل نڈھال ہو گئی تھی۔ نہ جانے اسے میری حالت پر کس طرح رحم آگیا۔ جلدی سے وہ نیچے بیٹھا اور اسٹوو میں ہوا بھرنے لگا شعلہ آہستہ آہستہ بھڑکنے لگا۔ لو تیز ہو گئی اور ایک سراٹے کی سی آواز بلند ہو گئی۔ جتنی دیر تک وہ اسٹوو جلاتا رہا میں خاموشی سے اتنی دیر تک اس کے الجھے ہوئے بالوں کو دیکھتی رہی۔ بالوں کے معاملے

میں وہ بڑا نفاست پسند تھا، اس کے یہ بال بڑے قرینے سے بنے رہتے تھے مگر اس وقت تیز ہوا کے باعث الجھے ہوئے تھے۔

اب جب مجھے وہ بات یاد آ جاتی ہے تو دل کانپ جاتا ہے۔

نہ جانے کیوں میرا دل چاہنے لگا کہ اس کے اُلجھے ہوئے بالوں کا ایک ایک چھلا سلجھا دوں!۔ میں اس کے بالوں کو غور سے دیکھ ہی رہی تھی کہ وہ بولا۔

"کیا میرے بالوں میں کوئی چیز گر گئی ہے۔؟"

"نن۔ نہیں۔" میں گھبرا گئی۔

"پھر اتنے غور سے میرے خوبصورت بالوں کو کیوں دیکھ رہی ہیں۔ کیا نظر لگائیں گی۔؟"

"میں جھینپ گئی۔ وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر بولا۔

"آپ کو اسٹوو جلانا نہیں آتا۔ ہوں!"

میں خاموش رہی، اس نے پلٹ کر سلیم سے کہا۔

"ارے بھئی سلیم میاں! ایک بات سنو۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن لوگوں کو اسٹوو جلانا نہیں آتا۔ وہ کیا جلانا جانتے ہیں۔؟"

"بڑا عجیب سوال ہے بھیّا۔ ٹھہرئیے میں سوچ کر بتاؤں گا۔"

"ہاں ہاں۔ خوب سوچ لو۔" وہ مسکرانے لگا۔

"بڑا مشکل سوال ہے!"

"ارے بھئی جواب پانے کے لئے کسی اور کی مدد لے لو۔ اپنی

ناہید آپا سے پوچھ لو۔"

"آپا آپ کو معلوم ہے جواب۔؟" سلیم نے براہ راست مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"مجھے بھی نہیں معلوم بھیا۔ آپ ہی بتا دیئے۔" سلیم نے ہار مان لی۔

"اچھا۔" اس نے سوچنے کی اداکاری کی۔" کھٹی انھیں اور بہت سی چیزیں جلانی آتی ہیں۔ مثلاً وہ آگ جلا سکتے ہیں۔ شمع جلا سکتے ہیں۔ کاغذ جلا سکتے ہیں۔ اور۔ اور....." وہ میری طرف دیکھنے لگا۔ میں لرز رہی تھی۔"

"اور۔ دل جلا سکتے ہیں۔!"

دھن۔! میرے دماغ پر جیسے ایک ہتھوڑا پڑا۔ قیامت خیز زلزلہ۔ میں سر سے پاؤں تک کانپ گئی، کس قدر ہمتوں میں باتیں کرنی آ گئی تھیں اُسے۔! ہوا کا ایک گستاخ جھونکا کہیں سے آیا اور میرے بالوں کو پریشان کرنے کے ساتھ اسٹوو کے شعلے کو بھی بجھا گیا۔ وہ بھی میرے بالوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو جلدی سے معذرت کرنے لگا۔

"یقین مانئے، آپ کے بالوں میں کوئی چیز نہیں گری۔"

"میں خفیف سی ہو کر زمین کو دیکھنے لگی کہ وہ پھر بولا۔

"شمو۔ آخر تم بالوں کو سنوارتی کیوں نہیں۔ تمہاری سب لٹیں بکھر

گئیں۔ دل تو چاہتا ہے کہ انھیں ٹھیک کر دوں، مگر تم ناراض ہو جاؤ گی۔"

"نہیں بھیا، میں ناراض نہیں ہوں گی۔ آپ ٹھیک کر دیجئے۔"

"دھت تیرے کی۔" اس نے ہنس کر شمو کو ڈانٹا، انداز ایسا تھا کہ مجھے بھی بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"شکر ہے خدا کا۔ آج کوئی ہنسا ہے اس لئے ضرور بارش ہو گی۔"

"بھیا ہم لوگ بھی اگر ہنسیں تو خوب زور کی بارش ہو گی نا۔؟" شمو نے بچکانہ سوال کیا۔

"ہاں بھئی ضرور ضرور۔"

بچے بری طرح ہنسنے لگے اور وہ پھر اسٹو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"معمولی لوگوں کے ہاں معمولی ہی سے اسٹوو ہوتے ہیں۔ لائیے۔ ماچس مجھے دیجئے۔"

اس نے جلدی سے ماچس میرے ہاتھ سے لے لیا۔ مگر ایسا کرتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ دانستہ پکڑ کر تھوڑی دیر تک بھینچے رکھا۔ گھبرا کر میں نے ادھر اُدھر دیکھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہاں بجلی کا کوئی ننگا تار آ گیا ہو۔ جب ہی تو وہ تیز جھٹکا محسوس ہوا تھا مجھے۔!

میں اب تک سوچتی رہتی ہوں کہ کیا ہاتھ بھی کرنٹ مارتے ہیں۔؟

ماچس میرے ہاتھوں سے لینے کے بعد اس نے اسٹو جلا لیا اور ماچس مجھے دوبارہ دے دی۔ میں نے جب ہاتھ بڑھایا تو اس نے میرے ہاتھ کو دوبارہ بھینچا۔ اس کے گرم ہاتھوں کے لمس سے میں بے خود ہو گئی اور

ایک ان جانے جذبے کے تحت میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ٹھائیں۔" جمیل کی طرف سے آواز آئی۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ اب صحیح نشانہ لگا ہے۔ اس نے بدستور مجھے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر فوراً ہی کھڑا ہو گیا۔ میں بیوقوفوں کی طرح زمین کو دیکھتی رہی۔"

"آہاہا۔ ماموں نے ضرور کوئی مرغابی ماری ہے۔" شمو چلائی۔

"نئی بندوق جو ہے۔ اس سے فوراً مر جاتی ہے۔ سلیم نے سینہ اکڑا کر کہا۔

"ساجد بھیا! آپا کے پاس بھی ایک ہلکی سی بندوق ہے۔" شمو نے کہا۔"

" دونالی بندوق۔؟"

"جی ہاں۔ آپ کو کیسے معلوم۔؟"

"معلوم ہے۔ جب سے آیا ہوں وہ دونالی بندوق دیکھ رہا ہوں۔"

"ابا جرمنی سے لائے تھے۔ آپا بڑا اچھا نشانہ لگاتی ہیں۔ سلیم نے کہا۔

"واقعی بہت اچھا نشانہ لگاتی ہیں۔" وہ مجھے دیکھنے لگا۔

"آپ نے کب دیکھا۔؟" شمو نے پوچھا۔

"تجربہ تو سب سے پہلے اس دونالی بندوق کا ہم پر ہی ہوا تھا۔" مجھے دزدیدہ نظر سے دیکھتے ہوئے اس نے کہنا شروع کیا۔

"بار ہا ہم تو زخمی ہوئے۔ بارود کی جگہ شاید کا جل بھرا جاتا ہے اس بندوق میں!"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم آپا سے پوچھئے۔"

اس سے پہلے کہ وہ مجھے دیکھے میں نے جلدی سے منہ پھیر لیا۔ وہ یقیناً مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ مجھے دیکھے جا رہا ہے، مگر میں نے دانستہ اس کی طرف نہیں دیکھا۔ لیکن اس احساس نے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے میرے رگ و پے میں سنسنی پھیلا دی۔ میرے ہاتھ من من بھر کے ہو گئے۔ اٹھانا کچھ چاہتی اور ہاتھ کہیں اور جاتا۔ عجیب حرکتیں کرنے لگی تھی میں۔!

کڑھائی میں پڑے ہوئے گھی میں اب ننھے ننھے بلبلے اٹھنے لگے تھے۔ نہ جانے کب اور کیسے گرم گھی کی چند بوندیں میرے ہاتھ پر آپڑیں۔ میں بلبلا ہی تو اٹھی۔ اس نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور گرم گھی کی وہ بوندیں اپنی انگلیوں سے پوچھ دیں۔ میں نے فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔!

آگ لگانے کے بعد اب وہ تماشہ دیکھنے آیا تھا!۔ اس کی محبت میرے دل میں دبی ہوئی ایک چنگاری کی مانند تھی۔ اور اب اس کی ان باتوں سے یہ آگ بھڑک اٹھی تھی۔ وہ مجھے برابر جلائے جا رہا تھا۔ یہ میری ضدی طبیعت تھی کہ میں ذرا ذرا سی بات پہ منہ پھلا لیتی تھی ورنہ اس نے کوئی ایسی بری باتیں بھی نہیں کیں۔ مگر اپنی افتادِ طبع سے

مجبور تھی، اس لئے میں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا اور سچ مچ
وہ فوراً سہم گیا۔ چند لمحوں تک وہ مجھے حیرت زدہ نظروں سے دیکھتا رہا
اور پھر بچوں سے کہنے لگا۔
"لوگ بڑے ناراض ہیں بھئی۔ ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے۔ آؤ
اختر کے پاس چلیں، اس نے ضرور کچھ مرغابیاں ماری ہوں گی۔"

آج بھی میں اپنے ان ہاتھوں کو بغور دیکھ رہی تھی جن پر وہ گرم گرم
بوندیں گری تھیں۔ اس جگہ چھالے پڑ گئے تھے۔ اور ان چھالوں کے
نشان اب تک موجود ہیں۔ یہ ہیں وہ نشان!" کیسے دردانگیز چھالے
تھے۔ ایسے ہی چھالے میرے دل میں بھی پڑے ہوئے ہیں۔ ہاتھ کے
آبلے تو ٹھیک بھی ہو گئے تھے۔ مگر یہ اندرونی آبلے؟ ہائے ان کی تکلیف
کیسے ظاہر کروں۔؟ یہ تو رِستے ہوئے ناسور بن گئے ہیں جو میری زندگی
میں مندمل ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ یہ آبلے تو میرے پورے جسم میں
پھیلتے چلے جائیں گے۔ اور میں اس تکلیف دہ آگ میں جلتی رہوں گی
اللہ یہ کیسی آگ ہے؟۔ کیسی آگ جو اندر ہی اندر سینے کو جلائے دے
رہی ہے!۔ اصل میں میری بے اعتنائی اور تغافل نے مجھے برباد کیا
ہے۔ کیا ہو جاتا جو میں اس سے ٹھیک طرح باتیں کر لیتی؟۔ اب میں کیوں
رو رہی ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا تھا اس کا صلہ تو مجھے ملنا ہی چاہیئے
اور وہ صلہ مل رہا ہے۔"

گل و سنگ حزیں ۸

پک نک بڑی شاندار رہی تھی۔ وہ ایک ہفتے کے لئے ہمارے یہاں آیا تھا۔ گھر میں تو میں اس کے قریب کبھی نہیں پھٹکتی تھی۔ بس ہر وقت اپنے کمرے ہی میں رہتی۔ وہ بھی امی اور ابا کی وجہ سے مجبور تھا۔ ورنہ اس کے ڈھیٹ پن سے مجھے یقین تھا کہ اگر وہ نہ ہوتے تو لازمی میرے کمرے میں آدھمکتا۔ دن بھر وہ اختر ماموں کے پاس بیٹھا یا تو کوئی کتاب پڑھتا رہتا یا پھر تصویریں بناتا رہتا۔ شمو مجھے اس کی ایک ایک بات کی خبر دیتی رہتی تھی اب ساجد بھائی یہ کر رہے ہیں اب ساجد بھائی وہ کر رہے ہیں۔ میرے دل میں بھی چور تھا اس لئے میں شمو سے خوب کرید کرید کر باتیں کرتی تھی۔

"میرے بارے میں تو وہ کچھ نہیں کہتے شمو۔"

"آپا وہ تو بہت ہی اچھے ہیں۔ تمہارے لئے بھی وہ تصویر بنا رہے ہیں۔ کہتے تھے کہ تمہاری آپا کو تصویریں پسند نہیں آئیں گی۔ مگر میں بناؤں گا ضرور۔"

"اور۔؟"

"اور کہتے تھے کہ آخر تمہاری آپا اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہیں؟"

"پھر تو نے کیا کہا۔؟"

"کہتی کیا۔ مجھے خود نہیں معلوم کہ تم کیوں چپ رہتی ہو۔؟"

"اور کچھ نہیں کہا۔؟"

"مجھے انھوں نے اپنی بیوی کی تصویر بھی دکھائی تھی۔"

"بیوی کی تصویر۔!" میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"ہاں ہاں۔ ہونے والی بیوی کی تصویر۔ تصویر ان کے پرس میں تھی آپا۔ سچ بہت ہی پیاری بھابی ہیں میری۔"

"چپ رہ نالائق۔" میں نے بری طرح شمو کو ڈانٹ دیا۔

اب سوچتی ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ آخر میں نے شمو کو کیوں مارا؟ مجھے اس سے کیا کہ ساجد اپنی بیوی کی تصویر کسی کو دکھائے۔ آخر اس کی بیوی کے نام سے میں جل کیوں گئی۔ کیوں میں نہیں چاہتی تھی کہ اس کی شادی نہ ہو۔؟ یہ ایسے سوال تھے جن کے جواب میرا دل مجھے دے رہا تھا۔ میں خوب جانتی تھی کہ ساجد میرے دل کا مکیں ہے۔ میں اس کے سامنے صرف دکھاوے کے لئے سنجیدہ رہتی ہوں۔ ورنہ میرا چاہتا ہے کہ دوڑ کر اس کے سینے سے لپٹ جاؤں۔ اتنا روؤں۔ اتنا روؤں کہ میرے آنسوؤں کا ایک دریا بن جائے۔!"

اس دن صبح ہی سے بادل گھرے ہوئے تھے۔ پہاڑوں کی دوسری طرف بارش بھی ہو رہی تھی۔ میرا دل بھی باہر جانے کو چاہ رہا تھا۔ اتفاق سے اختر ماموں نے پھر ندی کنارے جانے کا پروگرام بنا لیا۔ پہلے تو میں نے انکار کیا مگر بعد میں رضامند ہو گئی۔ امی اور ابا نے جانے سے معذوری ظاہر کی۔ خلیل چونکہ گھر میں موجود تھا۔ اس لئے طے پایا کہ اسے ساتھ لے کر ہم سب پکنک

پر چلے جائیں۔ بچے بھی ہمراہ تھے۔ ندی گھر سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں تھی اس لئے پہلے کی طرح ہم سب پیدل ہی اس طرف روانہ ہو گئے۔ خلیل بچوں کے ساتھ پیچھے آرہا تھا۔ اختر ماموں میرے ساتھ چل رہے تھے اور وہ ہم سب سے الگ تھلگ آگے آگے جا رہا تھا ایک بار اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر ہمارے پاس آکر ہمارے ساتھ خاموشی سے چلنے لگا۔ کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"اختر۔ یہ خلیل کیا چیز ہے۔ کہیں فاختہ واختہ تو نہیں اڑاتا یہ۔؟"

میں سمجھ گئی کہ اسے خلیل کی موجودگی بری طرح کھٹک رہی ہے وہ خلیل کو کچھ اور ہی سمجھ رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں ہنسی۔"

"بھئی اپنے پڑوس میں رہتا ہے۔ کافی اچھا لڑکا ہے۔"

"وہ تو ہے۔ مگر یہ گھر میں آنا جانا کیوں ہے۔؟"

"ہمارے بہنوئی شطرنج کے بہت رسیا ہیں اور یہ لڑکا شطرنج کھیلنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"اوہ۔!"

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ کچھ افسردہ سا تھا۔ آج اس میں وہ پہلی سی شوخی نہیں تھی۔ خلیل کو دیکھ کر اس کی شوخی کافور ہو گئی تھی۔ میں خود بھی تو اس کے پرس میں رکھی ہوئی تصویر کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔ خدا جانے وہ چڑیل کون تھی۔ ضرور ساجد کو اس سے کچھ دلچسپی ہو گی۔ ورنہ یوں اس کی تصویر اپنے ساتھ لئے

لئے نہیں پھرتا۔ میں نے سوچ لیا کہ اب اس سے بدلا لوں گی۔ میں نے پیچھے مڑ کر خلیل کو آواز دی۔

"خلیل صاحب۔ بھئی ادھر آیئے نا دور دور کیوں چل رہے ہیں؟"

"جی آیا۔"

خلیل لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میری طرف آنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مجھ میں دلچسپی لیتا تھا۔ مگر اس کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ مجھ سے بات کرے۔ آج مجھے مہربان دیکھ کر اس کے دل کی کلی کھل گئی۔

"فرمایئے۔" خلیل نے قریب آ کر کہا۔

"دور دور کیوں چل رہے ہیں۔ کیا ہم سے ناراض ہیں؟"

"جی نہیں تو......" ان کی ہنسی نکل آئی۔

خلیل جب ہمارے قریب آ گیا تو میں نے دیکھا کہ ساجد ہم سے کافی آگے بڑھ گیا۔ میں دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی۔ اب اس کو پتہ چل رہا ہے کہ دوسروں کو کیسے جلاتے ہیں؟ چھوٹے چھوٹے نالوں پر سے گزرتے وقت میں اپنا ہاتھ سہارے کے لئے جان بوجھ کر خلیل کی طرف بڑھا دیتی۔ اور پھر نالے کو پھلانگ کر پار کرتی۔ وہ دیکھتا مگر کچھ نہ بولتا تھا۔ وہ اتنا خاموش تھا کہ اب تو اس کی یہ خاموشی مجھے کھلنے لگی تھی۔ میں چاہتی تھی کہ یہ بولے مگر اسے تو چپ لگ گئی تھی۔ خلیل کی بجائے اب وہ بچوں کا رہنما بنا ہوا تھا۔ یا تو ہم سے بہت آگے آگے

چلتا تھا یا پھر بہت پیچھے پیچھے۔ اختر ماموں نے یہ بات نوٹ کر لی۔ بولے۔

"ارے بھئی ساجد یہ کیا تک ہے، ہم لوگوں سے اتنے دور چل رہے ہو۔؟"

"یونہی۔ میں نے سوچا کہ کہیں آپ لوگوں کی دلچسپی میں حارج نہ ہوں۔"

"کمال ہے۔ آج یہ بسور کیوں رہا ہے۔؟" اختر ماموں نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔

ندّی کے سامنے ہی ایک اونچا سا پہاڑ تھا۔ طے یہ پایا کہ اس پہاڑ پر چڑھا جائے۔ مگر بچّے۔!

آخر بڑے سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ خلیل کو بچوں کے پاس نیچے ہی چھوڑ کر ہم تینوں پہلے پہاڑ پر چڑھیں۔ خلیل ویسے بھی بالکل ننھی تھا اس لئے اس نے جان بوجھ کر اپنے چڑھنے سے معذوری ظاہر کی۔ اسے وہیں چھوڑ کر آخر کار ہم پہاڑ کی طرف بڑھے وہ اب بھی ہم سے آگے آگے جا رہا تھا۔ جب زیادہ چڑھائی آگئی تو میں اختر ماموں کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھنے لگی۔ اور وہ اس حقیقت سے بے نیاز کہ اس کے پیچھے کون کون آرہا ہے۔ خاموشی سے اوپر چڑھتا جا رہا تھا ماموں سستانے کے لئے ایک جگہ بیٹھ گئے اور انھوں نے اسے آواز دی۔ وہ ہلکے ہلکے قدم رکھتا ہوا آیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اب مجھے

بالکل نہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے ہونٹ لٹکے ہوئے تھے اور چہرے پر عجیب سی مُردنی چھائی ہوئی تھی۔

"کیا واپس نیچے جانے کا خیال ہے؟" اس نے اختر ماموں سے پوچھا۔

"نہیں تو۔۔"

"میں تو سوچ رہا ہوں کہ بلندی تک جاؤں گا۔"

"جو بلندی تک جاتے ہیں وہ گر بھی پڑتے ہیں۔ ہے نا ماموں؟ میں نے بیچ میں لقمہ دیا۔

ماموں تو ہنسنے لگے مگر وہ اور کبیدہ خاطر ہو گیا۔

"اچھا تم یہیں بیٹھو میں اوپر جا رہا ہوں۔" اتنا کہہ کر وہ چلنے لگا تھا کہ ماموں چیخے۔

"ارے بھئی ہم بھی چل رہے ہیں۔"

وہی چڑھائی پھر شروع ہو گئی۔ حسب معمول وہ اب بھی ہم دونوں سے آگے ہی آگے جا رہا تھا۔ جب پہاڑ کی چوٹی قریب رہ گئی تو ماموں کا سانس پھول گیا۔ کہنے لگے۔

"ناہید تم چلی جاؤ اوپر۔ میں تو سانس لے کر آؤں گا۔"

یہ سوچ کر کہ چوٹی قریب ہی ہے، میں نے ہمت کر لی۔ ماموں وہیں بیٹھے رہے اور میں اکیلی ہی آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگی۔ بادل دور دور سے اسی سمت چلے آرہے تھے۔ ایک گہرا اندھیرا سا چوٹی پر مسلّط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ پگڈنڈی پر آگے جا کر میری نظروں سے

روپوش ہو گیا تھا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ اوپر پہنچ چکا ہے۔ ننھے ننھے خودرو پھول توڑتی ہوئی میں بھی کچھ دیر بعد اوپر پہنچ گئی۔ اسے دیکھا تو وہ کہیں نظر ہی نہ آیا۔ پہاڑ کی اس اونچائی سے ہمارا قصبہ بالکل گڑیوں کا سا گھر نظر آتا تھا۔ چوٹی پر گھوم پھر کر میں نے قصبے کو ہر زاویے سے دیکھنے کا ارادہ کیا۔ اور جیسے ہی میں بائیں طرف پہنچی، ساجد مجھے ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ اس کی پشت میری طرف تھی اور بڑی توجہ کے ساتھ وہ نیچے قصبے کو دیکھ رہا تھا۔ مجھے اس کے گنگنانے کی بھی آواز آئی۔ اس کا گانا میں سن ہی چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بہت اچھا گاتا تھا۔ میرا دل چاہا کہ ہلکے ہلکے پاؤں رکھتی ہوئی اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو جاؤں اور اس کا گانا سنوں۔

میں نے ایسا ہی کیا۔ قریب پہنچ کر میں نے محسوس کیا کہ اس کی آواز پر رقت طاری ہے۔ رومال نکال کر جب اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں تو یہ حقیقت کھلی کہ وہ رو رہا ہے۔ مجھے یک لخت ایسا لگا جیسے میں پگھل کر رہ گئی ہوں۔ اسے روتے دیکھ کر میری بے چینی بڑھ گئی۔ معلوم ہوا کہ میرے دل کا خون ہو رہا ہے۔ دل چاہا دوڑ کر اس کے قدموں میں سر رکھ دوں۔ مگر میری خودداری آڑے آ گئی۔ میں سوچنے لگی کہ اب تک تو میں نے اپنے غرور کو قائم رکھا ہے۔ اگر میں اتنی ارزاں ہو گئی تو پھر اس کی نظروں میں میری کوئی وقعت نہیں رہے

گی۔ وہ بھی تو کسی دوسری لڑکی کو چاہتا ہے۔ اگر اس کا ارادہ ہے کہ
مجھے بھی بیوتوف بنالے گا تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ جب تک میں
یہ معلوم نہ کر لوں گی کہ وہ لڑکی کون ہے؟ اس طرح اس کے سامنے
اپنا دل کھول کر نہیں رکھ سکتی۔!

میں اسے روتے دیکھتی رہی۔ میرے سینے میں ایک آگ سی
لگتی رہی مگر میں دل پر جبر کئے کھڑی رہی۔ وہ شاید کوئی گیت گا رہا
تھا اور شاید یہ اس گیت کے آخری بول تھے جو میں نے سنے۔

میں ان کو وہ اور کو چاہیں
یہ نیناں یوں نیر بہائیں۔
جیسے ہو رہی ہو برسات
یاد آئی پھر بیتی بات

گاتے گاتے اس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں دے لیا۔ میں
موقع غنیمت جان کر پیچھے کھسک آئی۔ شاید پتوں کی کھڑکھڑاہٹ
سن کر وہ چوکنا ہو گیا۔ اس نے مجھے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ مگر میں ایسی
بن گئی تھی جیسے کہ میں نے اسے دیکھا ہی نہیں ہے۔ اس نے جلدی
سے اپنے آنسو پونچھے اور اسی طرح میری طرف سے پشت کئے بیٹھا
رہا۔ میں سوچتی رہی کہ یہ اب بات کرے اب بات کرے، مگر وہ بالکل
چپ تھا۔ میں چاہتی تھی کہ وہ اس طرح خاموش نہ رہے بلکہ کچھ بولے
مگر وہ میری طرف سے بے پرواہ سامنے بادلوں سے نیچے بہتی ہوئی ندی

کو دیکھ رہا تھا۔ جو اتنی اونچائی سے ایک پتلی سی سفید لکیر نظر آ رہی تھی۔ ایک گہرا بادل آہستہ آہستہ اس پہاڑ کی چوٹی کی طرف بڑھنے لگا جس پر ہم دونوں کھڑے تھے۔ اور جلد ہی اس بادل نے چوٹی کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس کے اور میرے درمیان ایک گہری دھند چھا گئی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی رہی مگر مجھے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اور جب یہ بادل گزر گیا تو میں نے اسے دیکھا۔ مگر.... حیرت کی ایک چیخ میرے منہ سے نکلی۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔ جہاں وہ بیٹھا تھا اس کے نیچے گہرا کھڈ تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس میں نہ گر گیا ہو!۔ میں نے گھبراہٹ میں آگے بڑھ کر دیکھا تو اچانک مجھے اپنے پیچھے سے اس کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ شاید وہ میری گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتے کے لئے پیچھے چلا گیا تھا۔ مگر تھا اب بھی خاموش۔

بادل تو پہلے سے چھائے ہوئے ہی تھے۔ اور اب ان بادلوں میں گڑگڑاہٹ بھی سنائی دینے لگی۔ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ بارش کے آثار ہیں۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ میں اس سے نیچے چلنے کو نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس نے اپنی جیب سے سگرٹ نکالا اور اسے سلگانے کے بعد بے مدعا آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ گویا اندازہ لگانا چاہتا ہو کہ بارش ہو گی یا نہیں؟۔ میں دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ یہ کسی طرح بولے تو مشکل حل ہو۔ آخر خدا نے یہ دعا سن ہی لی وہ بڑی سنجیدگی سے میرے قریب آیا اور آنسوؤں سے ڈوبی ہوئی

آواز میں بولا۔

"معاف کیجئے۔ میں آپ سے کچھ پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔؟"

"پوچھئے۔" میرے لہجے میں وہی اکھڑ پن تھا۔

"اختر کہاں رہ گیا۔؟"

"ان کا سانس پھول گیا تھا وہ وہیں نیچے رک گئے ہیں۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ شاید وہ اوپر نہیں آئے گا۔ خیر کوئی بات نہیں۔"

اتنا کہہ کر وہ پھر دوسری طرف مڑ گیا۔ میں خاموشی سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ مگر میں خود میں اتنی ہمت نہ پاتی تھی کہ اسے روک کر کہہ دیتی کہ بارش کے آثار ہیں اس لئے واپس نیچے چلنا چاہئے۔ جانے کو تو میں خود بھی اکیلی جا سکتی تھی، مگر سچ بات یہ ہے کہ مجھے ڈر لگتا تھا۔ پگڈنڈی پر لنگور کافی ملتے تھے، اتفاق تھا کہ پہاڑ پر چڑھتے وقت نہیں ملے ایک بار پہلے بھی جب میں اس پہاڑی پر چڑھی تھی تو لنگوروں نے مجھے کافی پریشان کیا تھا۔ ان کا ہی ڈر تھا جو میں اب اس کے رحم و کرم پر تھی۔ ورنہ ضرور نیچے چلی جاتی۔ میں نے دیکھا کہ وہ لمبے لمبے درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ آخر درختوں نے اسے چھپا لیا۔ بادلوں کے چھا جانے سے اندھیرا بڑھ گیا تھا۔ اب میں تنہا اس پہاڑ پر کھڑی تھی۔

میں نے جھانک جھانک کر اسے ہر سمت دیکھا مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ میں دل میں سوچ رہی تھی کہ کہیں وہ مجھ سے انتقام تو نہیں لے رہا؟ میں جو برتاؤ اس کے ساتھ کر رہی ہوں کہیں یہ اس کا بدلا تو نہیں ہے۔ ابھی میں سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک ٹپ ٹپ ٹپ بوندیں گرنے لگیں۔ میں گھبرا گئی۔ بادلوں کو دیکھا تو وہ بری طرح سے بپھرے ہوئے تھے۔ پہاڑ کے اوپر کہیں چھپنے کی بھی کوئی جگہ نہ تھی۔ چند درخت تھے اور آگے جا کر درختوں کا جھنڈ ڈھلان سے شروع ہو جاتا تھا۔ وہ اسی ڈھلان کی طرف جا کر غائب ہو گیا تھا۔ جب میں نے کوئی جائے پناہ نہ دیکھی تو بھاگ کر ایک درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ بارش کا زور بڑھتا جا رہا تھا اور وہ درخت جسکے نیچے اب میں کھڑی تھی میرے لئے چھتری نہیں بن سکتا تھا۔ میں بری طرح بھیگنے لگی۔ ہوا میں خنکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ میرے دانت آہستہ آہستہ بجنے شروع ہو گئے۔ ساتھ ہی خوف بھی محسوس ہو رہا تھا۔ زندگی میں مجھے کبھی اتنا ڈر نہیں لگا جتنا اس دن لگ رہا تھا۔،،

کوئی دس منٹ تک میں اسی طرح کھڑی بھیگتی رہی۔ ٹھنڈی ہوا میرے جسم میں سوئیوں کی طرح چبھی جا رہی تھی۔ بارش لگاتار بڑھتی جا رہی تھی اور ساتھ ہی بادلوں کی گرج میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈر اور سردی کے باعث میرا جسم بری طرح کپکپا رہا تھا۔

کہ اچانک مجھے درختوں کے جھنڈ سے کوئی آتا نظر آتا۔ میری کچھ آس بندھی، مگر جب وہ شخص قریب آگیا تو میں نے دیکھا وہ کوئی پہاڑی مزدور ہے۔ اس نے میرے پاس آکر کہا۔

"بی بی جی۔ ایک بابو جی وہاں ڈھلان پر بیٹھے ہیں، انھوں نے آپ کے لئے یہ برساتی بھیجی ہے۔"

اتنا کہہ کر مزدور برساتی میرے ہاتھ میں تھما کر فوراً ہی واپس چلا گیا پہلے تو میں برساتی کو ہاتھ میں لئے کچھ سوچتی رہی اور پھر فوراً ہی میں نے اسے اوڑھ لیا۔ بارش سے تو میں خیر بچ گئی مگر جسم کا لرزہ بدستور قائم رہا۔ کوئی پندرہ منٹ تک یہی حالت رہی۔ آخر بارش کا زور کچھ کم ہوا سردی اب میرے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی جا رہی تھی، اسوقت اپنی بے بسی کا خیال کر کے میرا دل بھر آیا۔

اور پھر جب مجھے یہ احساس ہوا کہ میں دنیا میں جسے سب سے زیادہ چاہتی ہوں وہی اس وقت مجھ سے بے گانہ بنا ہوا ہے تو میرے یہ آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔ کسی کی ہمدردی نہ پا کر میں درخت کے تنے سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ میرے آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ بارش اب بالکل رک چکی تھی۔ مگر میری آنکھوں سے ابھی تک برسات رواں تھی۔ ایک بار جب میں نے اپنے ہاتھوں سے آنسو پونچھنے کی کوششیں کی تو یہ دیکھ کر یکایک شرمندگی ہوئی کہ وہ سامنے ایک درخت سے سہارا لئے مجھے خاموشی سے تک رہا ہے۔!"

تو کیا اس نے مجھے روتے ہوئے دیکھ لیا؟ - اُف خدا یہ کیا ہوا؟،، اب تو وہ میرا اور بھی مذاق اڑائے گا - میری حالت اس وقت چوروں کی سی تھی - وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور میں اس سے نگاہیں ملاتے ہوئے جھجک رہی تھی - آخر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے قریب آیا - میں ابھی تک کپکپا رہی تھی - مگر اسے ایک قمیض اور پتلون میں بھی سردی نہیں لگ رہی تھی - میرے پاس آکر وہ کہنے لگا -،،

،، موسم کافی حسین ہو گیا - کیا خیال ہے آپ کا -،،

اسے میرے رونے کی کچھ فکر نہ تھی - نہ ہی اس نے یہ پوچھا کہ میں رو کیوں رہی تھی - جب میں خاموش رہی تو بولا -

،، بھیگنے میں مجھے ہمیشہ لطف آتا ہے - جسم میں جب آگ سی لگ رہی ہو تو بارش کے چند قطرے اس آگ کو بجھا دیتے ہیں -،،

اتنا کہہ کر وہ بے مدعا آسمان کی طرف دیکھنے لگا - اور میں سوچنے لگی کہ بارش کے ان قطروں نے میرے دل میں سلگتی ہوئی آگ پر بالکل تیل کا سا کام کیا ہے! -

،، آپ فرمائیں تو اب نیچے چلیں ،،؟ اس نے پوچھا -

میں نے جواب تو کچھ نہیں دیا - بلکہ اس کی دی ہوئی برساتی اتارنے لگی - یہ دیکھ کر اس نے جلدی سے کہا -

،، نہ نہ - یہ کیا کرتی ہیں آپ - سردی لگ جائے گی - پہنے رہیے -،،

جی تو چاہتا تھا کہ اس سے پوچھوں کہ آپ کو بھی تو سردی لگ سکتی ہے۔ مگر خاموش رہی۔

پہاڑ پر چڑھنا جتنا مشکل ہوتا ہے اس سے زیادہ کٹھن ہوتا ہے اترنا۔ پگڈنڈی گیلی ہوتی تھی درختوں پر سے ٹپا ٹپ بوندیں گر رہی تھیں اور اب ہم دونوں اس اکیلی سی پگڈنڈی پر چل رہے تھے۔

"لوگ کہتے ہیں کہ بارش دلوں کا میل دھو دیتی ہے۔ خدا جانے کہاں تک صحیح ہے یہ بات ؟"

میں چپ رہی۔

"لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ بارش کے وقت اگر کوئی اپنی آنکھوں سے بارش برسانے لگے تو آسمانی بارش سہم کر بند ہو جاتی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے ؟"

میں اب بھی خاموش تھی۔

"ہم لوگ کافی بلندی تک پہونچ گئے تھے۔ آپ کا خیال ہے کہ جو بلندی تک جاتے ہیں وہ آخر کار گر بھی پڑتے ہیں۔ مگر دیکھ لیجئے میں تو نہیں گرا۔"

میرے دل میں اس قدر غصہ بھرا ہوا تھا کہ میں نے اس کے کسی سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔ میری آنکھیں روتے روتے سرخ ہو گئیں تھیں۔ جبھی شاید اس نے کہا۔

"اس حلئے سے آپ سب کے سامنے مت جایئے گا۔ اختر دیکھ

کر کہے گا نہ جانے کیا بات ہے کہ آپ رو تی رہی ہیں۔ بات یہ ہے کہ
اس طرح ذرا میرا کیریکٹر مشکوک ہو جائے گا۔"

"اب کونسا اچھا ہے؟" میں نے جل کر کہا۔

"بہت اچھے۔ شکر ہے کہ آپ بولیں تو سہی۔" اس نے اسطرح
کہا جیسے اسے کوئی خزانہ مل گیا ہو۔

"ایک بات پوچھوں۔ امید ہے کہ آپ برا نہ مانیں گی۔ آخر یہ
آپ رو کیوں رہی تھیں۔؟"

"آپ خاموشی سے نیچے چلئے۔ مجھے باتونی لوگ بہت بُرے
لگتے ہیں۔" میں نے تلخ جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ جواب دیتا۔ چند لنگور پیڑوں سے
کود کر ہمارے آگے آکر کھڑے ہو گئے۔ یہ تو مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ
وہ اس پگڈنڈی پر سے گزرنے والے سیاحوں سے "ٹیکس" وصول
کیا کرتے تھے۔ سیاح انھیں چنے وغیرہ دے دیتے تھے اور وہ
مطمئن ہو کر انھیں جانے دیتے تھے۔ مگر اس وقت لنگوروں کو دیکھ
کر میری جان نکل گئی۔ میں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ مگر اس نے
مسکرا کر مجھے دیکھا اور پھر لنگوروں سے یہ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"آپ سے ملئے۔ آپ ناہید ہیں۔ یہ تو آپ کی مزاج پرسی نہیں
کریں گی، مگر آپ لوگ ضرور ان سے ملئے۔"

لنگور اپنے پچھلے دونوں پیروں پہ کھڑے میری طرف للچائی

ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بار بار دانت نکالنے اور مجھے دیکھتے خوف کے مارے میں بری طرح لرز رہی تھی اور وہ تھا کہ بغیر پیچھے دیکھے خاموشی سے آگے چلا جا رہا تھا میں سر سے پاؤں تک بری طرح لرز رہی تھی اور جب میں نے دیکھا کہ وہ مجھے ان لنگوروں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر نظروں سے اوجھل ہو جائے گا تو میں چلائی " سنیئے۔"

اس نے رک کر پیچھے دیکھا اور پھر بولا۔ کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔؟"

"یہ لنگور۔!"

"جی ہاں یہ لنگور ہیں، پہاڑوں پر زیادہ ملتے ہیں۔ کافی خطرناک جانور ہیں۔"

"انھیں روکیئے۔"

"وہ تو پہلے ہی رکے ہوئے ہیں۔"

مجھے اس کے جواب پر غصہ تو بہت آرہا تھا۔ مگر مجبور تھی۔ وہ اب میرے قریب آچکا تھا اس لیئے میں نے سہم کر کہا۔

"یہ۔ یہ مجھے گھور رہے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے لنگور کی قوم جمالیاتی حس سے محروم نہیں ہوا کرتی یہ کافی حسن پرست معلوم ہوتے ہیں۔!

غصے سے مغلوب ہو کر میں نے ذرا آگے بڑھنے کی کوشش کی تو لنگوروں نے دانت دکھائے۔ میں پھر رک گئی۔ دل تو پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا۔

لنگوروں کی ہٹ دھرمی اور اس کے تغافل سے ادر بھر آیا۔ میں چٹان کا سہارا لے کر پھر رونے لگی۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا اور اس کے بعد لنگوروں سے بولا۔

" بھاگو بے غنڈے کہیں کے۔ ایک حسین لڑکی کا راستہ روکتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔"

لنگوروں نے شاید اسے بھی دانت دکھائے ہوں گے۔ اسی لئے وہ بولا۔

" بڑے ہٹ دھرم ہیں بھئی۔"

میں برابر روئے جا رہی تھی۔ میرے قریب آکر وہ آہستہ سے کہنے لگا۔

" آپ فرمائیں تو انہیں بھگا دوں۔"

میں نے آنسو پونچھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

" ارے۔ تو یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہیں کہی۔ خیر لیجئے انھیں بھگا دیتا ہوں۔"

اتنا کہہ کر اس نے جیب سے چند ٹافیاں نکال کر کافی دور پھینک دیں۔ لنگور اس طرف متوجہ ہو گئے اور تب میری جان میں جان آئی۔ میں پھر اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ راستے میں وہ مجھ سے کہنے لگا۔"

" کمال ہے آپ ان لنگوروں سے ڈر گئیں۔ جو لڑکی ہر وقت بہن

بھائیوں کو ڈانٹتی رہتی ہو۔ جس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے ہوئے بڑے بڑے جی دار ڈرتے ہوں۔ جو اپنی ناک پہ مکھی کبھی نہ بیٹھنے دیتی ہو اور جس کے پاس دونالی بندوق بھی ہو۔ تعجب ہے کہ وہ لنگوروں سے ڈر جائے۔!،،

جب میں نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ آہستہ آہستہ گانے لگا خدا جانے کیا گا رہا تھا۔ بول میری سمجھ میں نہ آئے۔ جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں اختر ماموں کو ہم نے چھوڑا تھا تو دیکھا کہ وہ ایک پہاڑی مزدور سے کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی بالکل بھیگے ہوئے تھے۔ ہمیں آتا دیکھ کر جلدی سے بولے

"ارے بھئی کہاں رہ گئے تھے تم لوگ۔؟

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی وہ کہنے لگا۔

"اماں یار یہ لنگوروں سے بہت ڈرتی ہیں۔،،

"کیوں، کیا تم سے ڈر گئیں۔؟ اختر ماموں نے بے ساختگی سے کہا اور وہ جھینپ کر کہنے لگا۔

"راستے میں لنگور مل گئے تو ان کی گھگی بیٹھ گئی۔ بڑی دیر تک روتی رہیں۔ میں نے موٹے موٹے پتھر اٹھا کر لنگوروں کو مارا ایک کم بخت نے میرے کاٹ بھی کھایا۔ بڑی مشکل سے ان سے نجات ملی تب ادھر آئے۔،،

"چلو کوئی بات نہیں۔،، اختر نے مسکرا کر کہا۔ آؤ اب واپس

نیچے چلیں۔"

میں اختر ماموں کا سہارا لے کر نیچے اترنے لگی۔ وہ تمام راستے بڑا خوش رہا۔ ایسا لگتا تھا گویا اسے کوئی دولت مل گئی ہو۔ میں جانتی تھی کہ وہ مجھے دکھانے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ میری طبیعت بھی عجیب سی ہے۔ کبھی اس پر پیار آنے لگتا اور کبھی وہ مجھے اپنا دشمن دکھائی دیتا۔ پگڈنڈی پر پھسلن بہت تھی۔ میں تو سنبھل سنبھل کر چل رہی تھی مگر وہ ایسے چل رہا تھا گویا اس طرح چلنے کا عادی ہے اور پھر جس بات کا ڈر تھا وہ ہو کے رہی۔ ایک بار جیسے ہی وہ شیخی میں آ کر تھوڑا سا اچھلا۔ چاروں شانے چت ہو گیا۔ مگر ڈھیٹ اتنا تھا کہ کپڑے پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"بھئی جو بلندی تک جاتے ہیں وہ گرا بھی کرتے ہیں۔ ہے نا اختر۔"

ماموں مسکرانے لگے میں اور جل گئی۔ اس نے بالکل میرے الفاظ دھرا دیئے تھے۔

جب ہم لوگ نیچے پہنچے تو دیکھا کہ خلیل اپنا سر گھٹنوں میں دیئے بیٹھا ہے۔ بچے اس کے قریب ہی کھیل رہے تھے۔ پہنچتے ہی اس نے پھبتی کسی۔

"اماں خلیل صاحب شتر مرغ کی طرح کیوں بیٹھے ہو۔ کیا بہت

بھیگ گئے۔ ؟

"جی ہاں جی ہاں۔" خلیل ایک دم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"خلیل صاحب، موسم بڑا حسین ہے۔ آپ فاختائیں کیوں نہیں اڑاتے۔!"

"جی ہاں۔ وہ۔ وہ۔"

خلیل اس طرح کھسیانی ہنسی ہنسا کہ میرا جی چاہا زمین سے مٹی اٹھا کر اس کے منہ پر مل دوں۔ جب ہم لوگ واپس آنے لگے تو وہ راستے بھر ہمیں لطیفے سناتا رہا۔ ہنسی تو مجھے بھی آتی تھی مگر میں اسے بڑی خوبصورتی سے چھپا لیتی۔ تھی۔ جلد ہی ہم لوگ واپس گھر آ گئے۔ میں سیدھی اپنے کمرے میں پہونچ کر برساتی اتارنے لگی۔ مگر یہ برساتی؟ میں بالکل بھول گئی تھی کہ راستے بھر میں یہ برساتی پہنے رہی تھی۔ حالانکہ بارش بالکل نہیں تھی مگر برساتی کی وجہ سے سرد ہوائیں جسم سے ٹکرانی بند ہو گئی تھیں۔ برساتی اتارتے اتارتے میں نے اس پر ہاتھ پھیرا۔ ہلکی سی ملائم برساتی مجھے ایسی لگی گویا اس کا ہاتھ ہو۔ میں بیوقوفوں کی طرح بڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی۔ جو سگرٹ وہ پیتا تھا اس کی خوشبو اس میں سے آ رہی تھی۔ نہ جانے مجھے کیا ہوا۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ وہ کون سا جذبہ تھا۔ بس میں نے بے تاب ہو کر اس برساتی کو اپنے دل سے لگا لیا۔ بڑی دیر تک میں اسے بھینچے رہی اور پھر جیسے مجھے تسکین مل گئی۔"

میں نے اس کی جیبیں دیکھنی شروع کیں۔ ایک جیب میں سے سگرٹ کا پیکٹ ملا۔ وہ میں نے جوں کا توں رکھ دیا۔ اندرونی جیب ٹٹول رہی تھی کہ مجھے اس میں سے اس کی چھوٹی سی ڈائری ملی۔ ڈائری کو کھول کر میں نے جیسے ہی اندر جھانکا مجھے یوں محسوس ہوا گویا کمرہ گھومنے لگا ہے۔ ہر شے مجھے سرخ نظر آنے لگی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ غصہ کے باعث میں کپکپانے لگی اور پھر جھلا کر میں نے ڈائری واپس برساتی میں ٹھونس دی اور پھر یہ برساتی ایک طرف کونے میں پھینک دی۔

ڈائری میں کسی لڑکی کی تصویر تھی اور تصویر کے نیچے لکھا تھا "ہمیشہ آپ کی۔ روبی۔" اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ ساجد دراصل ایک بھنورا ہے۔ کلی کلی پر منڈلاتا پھرتا ہے۔ وہ ہرجائی طبیعت رکھتا ہے اور نئے نئے کھلونوں سے دل بہلانا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ اب وہ اپنی اصلی شکل میں میرے سامنے کھڑا تھا۔

میرے اللہ میں بھی کتنی جلد باز تھی۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ وہ لڑکی ممکن ہے اسے چاہتی ہو مگر وہ نہ چاہتا ہو۔ میری زندگی میں مسرت کا سورج طلوع ہوا تھا مگر میں نے خود کو ظلمتوں میں غرق کر دیا۔ میں رفعتوں تک پہونچ گئی تھی مگر شک و شبہے کی ہواؤں نے مجھے اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ اب جب وہ لمحات یاد

آتے ہیں تو میں دل پکڑ کر رہ جاتی ہوں کوئی سی سزا اور کوئی سی تکلیف مجھے گوارہ ہے مگر کاش وہ وقت لوٹ کر آ جائے جبکہ میں اپنے ساجد سے گڑگڑا کر معافی مانگ لوں۔ مگر وقت جا کر واپس نہیں آیا کرتا۔ یہ میں اچھی طرح جانتی ہوں۔

دوسرے دن مجھے معلوم ہوا کہ وہ واپس جا رہا ہے۔ مگر مجھے اس کے جانے کی اتنی سی بھی پروا نہیں تھی۔ اسی دن شمّو ایک خوشنما کتاب لے کر میرے پاس آئی۔

"باجی باجی۔ ساجد بھیا واپس جا رہے ہیں۔"

میں خاموش رہی۔

"باجی تم نے پوچھا نہیں کیوں واپس جا رہے ہیں۔" شمّو کو تعجب ہوا۔

"مجھے کیا غرض جو پوچھوں۔ یہ کیا ہے تیرے ہاتھ میں؟" میں نے کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

"کتاب ہے۔ آپ کے لئے بھیجی ہے آپا۔"

"کس نے۔؟"

جواب دینے سے پہلے ہی شمّو کتاب میرے ہاتھ میں تھما کر بھاگ گئی۔ میں نے کتاب لے کر جیسے ہی پہلا ورق الٹا دھک سے رہ گئی۔ اندر راون کی ایک قلمی تصویر بنی ہوئی تھی۔ راون کی

مونچھیں غائب تھیں اور وہ عینک لگائے ہوئے تھا۔ میں نے کتاب نوچ کر پھینک دی۔ دل ہی دل میں ساجد کو ہزاروں کوسنے دئے۔ دل چاہا کہ اگر وہ سامنے آجائے تو پھر اُسے ایسا مزا چکھاؤں کہ عمر بھر یاد رکھے۔

خدا مصیبت میں اپنے بندوں کی کتنی مدد کرتا ہے۔ یہ مجھے اسی دن معلوم ہوا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور ساتھ ہی آواز آئی۔

"اندر آسکتا ہوں۔" ساجد تھا۔

بڑی دیر تک میں ذہنی کشمکش میں مبتلا رہی۔ خودداری اور اخلاق میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر اخلاق کی فتح ہوئی اور میں نے اسے اندر بلا لیا۔ وہ حسب معمول سیٹی بجاتا ہوا اندر آیا۔ بجائے اس کے کہ وہ مجھ سے مخاطب ہوتا، در و دیوار کا جائزہ لینے لگا۔ میں سوچ رہی تھی کہ یہ اب بولے تو پھر اسے آڑے ہاتھوں لوں۔ میں وہ خاموشی سے جھروکے میں جاکر کھڑا ہو گیا۔ اور کہیں دور خلا میں نظریں گاڑ کر کہنے لگا۔

"دوسروں کے اہم راز جاننا کچھ اچھی بات نہیں ہے۔"

میں چپ رہی۔ سمجھ گئی کہ وہ بی کی تصویر کے سلسلے میں تمہید باندھ رہا ہے۔

"کوئی اگر کسی کو اپنی تصویر زبردستی بھیج دے تو کیا ہو سکتا

ہے۔ مجبوراً وہ تصویر چھپانی پڑتی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ لوگ دوسروں کی برساتیاں بھی ٹٹولتے ہیں۔"

میں ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔ جھڑکی کے سہے ہٹنے کے بعد وہ بے فکری سے دیوار پر لگی ہوئی تصویریں دیکھنے لگا۔

"یہ تصویریں آپ کی ہیں۔؟"

"دکھائی نہیں دیتا آپ کو۔ اور کس کی ہیں۔؟" میں نے ذرا تیز ہو کر جواب دیا۔

"اگر آپ کی ہیں تو پھر یہ تصویریں مسکرا کیوں رہی ہیں؟ آپ تو مسکرانا نہیں جانتیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"خیر یہ تصویریں میری ہی ہیں۔" میں نے جل کر کہا۔

"چلیئے مان لیتا ہوں کہ آپ کی ہیں۔" اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہنا شروع کیا۔ "مگر کیا میں ان تصویروں کی کچھ تعریف کر سکتا ہوں۔؟"

میں دل ہی دل میں طیش کھا رہی تھی مگر مجبور تھی۔ اس کے آگے میں بالکل بے بس تھی۔

"تصویریں بہت حسین ہیں۔ بلکہ مجھے کہنا یہ چاہیئے کہ جس کی تصویریں ہیں وہ خود بھی کافی حسین ہے دوسرے کہتے ہیں کہ عینک تصویر میں بری لگتی ہے۔ مگر یہی تصویر عینک کی جان ہے کم از کم دوسروں سے آنکھیں چار کرنے میں کچھ لطف تو آ سکتا

ہے۔ اور عینک لگانے پر آنکھیں دو کی بجائے خود بخود چار ہو جاتی ہیں۔ ستواں ناک پر یہ عینک بہت پیاری لگتی ہے۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹ در حقیقت کسی پھول کی پنکھڑی نظر آتے ہیں۔ اور آنکھیں۔ سچ مچ دو نالی بندوق بنی ہوئی ہیں۔ واہ وا۔ آپ کہیں تو مزید تعریف کروں۔؟

میں اپنی تعریف سے خوش تو ہو رہی تھی مگر دکھاوے کے طور پر میں نے جل کر کہا۔ ”جی نہیں“

”چلئے کوئی بات نہیں۔ ویسے کیا میں ان تصویروں میں سے ایک تصویر لے سکتا ہوں۔؟“

”کیوں۔؟ میری پیشانی پر برہمی کی لکیریں پڑ گئیں۔

”یونہی تفریحاً۔ مجھے تصویر کو پوجنا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ مجھے مسکراتی ہوئی تصویریں ذرا اچھی لگتی ہیں۔“

”جی نہیں آپ کو کوئی تصویر نہیں مل سکتی۔“

”لیکن میں تو لے جاؤں گا۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک تصویر اتار کر اپنی بغل میں دبا لی۔ غصّے کے مارے میرا خون کھولنے لگا۔ میں کانپنے لگی۔ اور میں نے چلا کر کہا۔

”آخر آپ مجھے پریشان کیوں کر رہے ہیں۔؟

”دیکھئے صاحب بات یہ ہے کہ اختر کہیں گیا ہوا ہے۔ سوچا کہ فرصت کا وقت آپ کے پاس چل کر صرف کیا جائے۔“

میز پر رکھے ہوئے رسالے جامِ نو کی ورق گردانی کرتے ہوئے
وہ گنگناتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اچانک اس نے کہا۔
"ارے۔ آپ افسانے بھی لکھتی ہیں!"
مجھے خوشی تو ہوئی کہ میری ایک خوبی اس پر ظاہر ہوگئی ہے۔
مگر اس کی بے تکلفی مجھے مارے ڈال رہی تھی۔ میں نے مجبوراً کہا۔
"جی ہاں لکھ لیتی ہوں۔"
"میرے نزدیک تو صاحب افسانے لکھنا محض جھک مارنا ہے۔"
"ہوگا۔ مجھے اس سے کیا۔ آپ کے خیالات سے مجھے کیا واسطہ؟
میں نے روکھے پن سے کہا۔
"ہوں۔ بات تو ٹھیک ہے۔"
وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ اس عرصے میں میں نے سوچا
کہ کاش وہ میرا کھڑا ہوا میز پوش دیکھ لے۔ یقیناً وہ اس کی تعریف
کرے گا۔ میں نے جلدی سے میز پوش کی شکنیں دور کر دیں۔
"اس آئینے میں سے میں نے بہت کچھ دیکھ لیا ہے۔ لیکن یہ
تو بہت واہیات میز پوش ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی پان
کھا کر کپڑے پر تھوک دے۔"
وہ ہنسنے لگا اور میں کھسیانی ہو کر اسے خونخوار نظروں
سے دیکھنے لگی۔ اگر وہ ٹھیک طرح باتیں کرتا تو اس کا کیا بگڑ
جاتا۔ آخر۔ آج تک کسی کو ہمت نہ ہوئی تھی کہ مجھ سے اس

طرح بات کرنے کی۔ اور وہ تو پھر میرا مذاق اڑا رہا تھا۔ جی چاہا کہ گلدان اٹھا کر اس کے منہ پر دے ماروں مگر ہمت نہ ہوئی۔

"میز پوش صاحب روبی بہت عمدہ کاڑھتی ہے۔ آہاہا۔ کیا بات ہے؟ ایک ایک پھول جیتا جاگتا معلوم ہوتا ہے۔ لڑکی ویسے وہ خود کافی اچھی ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہے کہ ہر وقت منہ پھلائے بیٹھے ہیں۔ وہ جتنا میرے قریب آتی ہے اتنا ہی میں اس سے دور بھاگتا ہوں۔ لڑکیوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ ابھی میٹھی میٹھی باتیں کر رہی ہیں اور ابھی عینک میں سے گھور کر دیکھنے لگیں۔"

پھر وہی روبی۔ میری دکھتی ہوئی رگ۔!

دزدیدہ نظر سے وہ مجھے برابر دیکھے جا رہا تھا۔ سچ بات یہ ہے کہ روبی کا نام آتے ہی میرے دل میں آتش فشاں کھولنے لگا۔ مجھے پھر اس کا ہرجائی پن یاد آ گیا۔ نفرت کا ایک سیلاب میرے دل میں موجزن ہو گیا اور میں پھٹ پڑی۔

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔؟"

"یہ پوچھئے کسے چاہتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "آپ کو چاہتا ہوں میں۔ دیکھئے میں فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے کوئی تمہید بھی نہیں باندھنی۔ مجھے تو آپ سے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔ مجھے سالوں ہو گئے ہیں آپ کی پرستش کرتے ہوئے۔ پہلی بار آپ کو دیکھتے ہی آپ

دل میں بس گئی تھیں۔ مجھے معلوم بھی نہ ہو سکا کہ آپ کا خیال کس طرح میری رگ رگ میں سما گیا۔ میں آپ سے ایسی محبت کرنے لگا۔ جس کا تصور بھی کبھی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتا تھا۔ اور نہ ہی میں اپنی اس محبت کو کسی سے تشبیہہ دے سکتا ہوں۔ آپ میری اس جسارت پر ناراض ہو رہی ہیں۔ میں نے آپ کو کافی پریشان کیا اور آپ نے میری حرکات کو ہمیشہ تیوری پر بل ڈال کر دیکھا مجھے یہ بھی معلوم ہے لیکن مجھے جو کچھ بھی کہنا ہے آج اور اسی وقت کہنا ہے۔ کیونکہ ایک ہفتے کے قیام میں مجھے اس کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ دوسرے میں کل صبح واپس جا رہا ہوں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بہت پیاری لگتی ہیں۔ شراب کہنہ کی طرح آپ ہیں بہت تلخ مگر مجھے آپ کی اسی تلخی سے پیار ہے۔ آپ کی باتیں، آپ کے چلنے کا ڈھنگ آپ کے انداز۔ ایک ایک چیز سے مجھے والہانہ اُنسیت ہے۔ آپ اگر مجھے مل جائیں تو میں خود کو بہت خوش قسمت سمجھوں گا۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی کہنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ آپ کی طرح نہ میں افسانہ نگار ہوں اور نہ شاعر۔ بس دو لفظوں میں داستان دل کہہ دی ہے۔ اب خواہ آپ ناراض ہوں، خواہ مجھے برا بھلا کہیں۔ مجھے اس کی چنداں فکر نہیں۔"

میرے اللہ۔۔! یہ کتنا سخت امتحان تھا! میں اس کی قدر

کرتی تھی۔ میرے دل میں اس کی حمیت بھی سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ مگر مگر ایک تو روبی کی داستان دوسرے اس کے ڈھیٹ بن جانے اور یوں ببانگ دہل اپنی محبت عریاں کر دینے سے وہ مجھے عام لڑکوں کی طرح ایک آوارہ، تیز و طرار اور ہرجائی لڑکا نظر آیا۔ میں پر غضب نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ اور پھر نہ جانے مجھے کیا ہوا۔ میں الفاظ میں بیان ہی نہیں کر سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پاگل پن ہو۔ بہرحال میں نے اسے جی بھر کر ڈانٹا۔ اس نے مجھے افسانہ نگار سمجھا تھا نا۔ میں نے زبان کا پورا پورا زور صرف کر دیا۔ اس سے کہا کہ وہ اوباش ہے۔ آوارہ ہے۔ اس کی خصلت بھونروں کی سی ہے۔ ایک پرانے شکاری کی سی جو ہر وقت نئی مچھلی پکڑنے کی تاک میں رہتا ہے۔ وہ ایک ایک بات سنتا رہا۔ اس نے منہ سے اُف بھی نہ کی۔ پہلے پہلے اس کی نظروں میں حیرت نظر آئی۔ اسے شاید یوں لگا جیسے جو کچھ اس وقت ہوا ہے اس کا اسے بھول کر بھی خیال نہ آیا ہو گا۔ میں تقریر کرتی رہی اور وہ خاموشی سے اپنے بوٹ سے قالین کو تھپتھپاتا رہا۔ چند لمحوں کے لئے اداس نظروں سے مجھے دیکھنے لگتا اور پھر گردن جھکا لیتا۔ جب میں اسے خوب صلواتیں سنا چکی تو اس نے مجھے ایسی التجائی نظروں سے دیکھا جن سے پہلے شاید کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں تو بچپن ہی سے ٹھکراتا چلا آیا ہوں۔ یہ میرے لئے کوئی نئی

بات نہیں ہے۔ آپ کے پاس آنے سے پہلے میں جانتا تھا کہ یہی تحفہ مجھے ملے گا۔ جو دامن میں نے پھولوں کے لئے بڑھایا تھا آپ نے اس میں کانٹے بھر دیئے۔ لیکن انسان کا دل بھی تو کوئی چیز ہے۔ امنگیں کم بخت چین ہی نہیں لینے دیتیں۔ میں سمجھا تھا کہ آپ کی ناراضی، محبت کے بہاؤ میں بہہ جائے گی۔ میں نے سوچا تھا کہ درحقیقت آپ اتنی تلخ نہیں ہیں جتنی تلخ باتیں کرتی ہیں۔ مگر خیر کوئی بات نہیں، آپ کا شکریہ! ۔ اس عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ، کبھی میں یاد آؤں تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔"

وہ میری تصویر بغل میں دبا کر چلا گیا اور میں اس کشمکش میں رہی کہ اسے رد کروں یا نہ رد کروں؟

ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ بہار کا زمانہ بیت چکا، اب تو خزاں آچکی ہے۔ ہر طرف زرد اور پھیکے پھیکے سے پھول بکھرے پڑے ہیں۔ دل کی وادیاں سونی ہیں۔ یہ کیسا ہُو کا عالم ہے خدایا۔! ذرا سی بھی تو آواز نہیں ہے۔ اس قدر خاموشی۔ اتنا سکوت؟ وہ مسکراہٹیں کہاں جا کر کھو گئیں۔ زندگی میں یہ کیسی بے کیفی پیدا ہو گئی جو پہلے نہ تھی۔ بڑا زبردست طوفان آیا تھا۔ لق و دق میدان میں اُگی ہوئی ایک ننھی سی کونپل اس طوفان میں کپکپاتی رہی تھی۔ طوفان چلا گیا۔ تو ہر چیز پر نکھار آ گیا۔ محبت کی بارش ہوئی تو کونپل کو بھی زندگی

مل گئی۔ اب وہ سہمی ہوئی کونپل سوچتی ہے کہ وہ طوفان پھر کب آئے گا۔؟

میرے ساجد، کاش کوئی تمہیں بتا سکتا کہ اب میں صرف تمہاری یاد کے سہارے ہی جی رہی ہوں۔ یہ بند کمرہ۔ یہ مسکراتی ہوئی تصویریں یہ کھڑکی اور اس کھڑکی سے نظر آنے والی پگڈنڈی۔ میرے خدا ان کا خیال کرتے ہی میرا دل کانپ جاتا ہے۔ گھٹائیں اس وقت بھی اس پگڈنڈی پر چھائی ہوئی ہیں۔ مگر یہ گھٹائیں برستی کیوں نہیں ؟ یہ بادل میرے آنسوؤں کا ساتھ کیوں نہیں دیتے ؟۔ اے گھٹاؤ! آؤ اور آکر میرے خرمن دل پر برس جاؤ۔ اس آگ کو بجھا دو جس نے میرے دل میں ناسور ڈال دیئے ہیں۔ ٹھنڈی ہواؤ۔ میرے دل پہ خنک پھاہے رکھ دو تاکہ مجھے چین آجائے۔ مگر یہاں اب کوئی نہیں آئے گا۔ میں یونہی سسکتی رہوں گی۔ کوئی ہے جو روٹھ کر جانے والے بالم کو میرا سندیش پہنچا دے۔ کوئی نہیں ہے نا۔ کوئی نہیں ہے !!"

یہ میرے دل نے پہلی چوٹ کھائی تھی ناہید۔ تمہاری داستان بتاتی ہے کہ
تم مجھ سے والہانہ انسیت کرتی تھیں۔ مگر تم نے اسے ظاہر نہیں کیا، مگر یہ داستان تو مجھے
اس وقت ہاتھ لگی تھی جب کہ میں دوبارہ تمہارے ہاں گیا تھا۔ اگر مجھے پہلے ہی
سے تمہارے کردار کا پتہ چل جاتا تو مجھے اتنے پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے۔ تمہارے سخت
جواب سن کر تمہیں کیا معلوم میرے دل پر کیا بیتی تھی۔ مجھے پوری دنیا سنسان نظر
آتی تھی۔ یوں لگتا تھا گویا اس وسیع دنیا میں میں اکیلا ہوں۔ ہر شے مجھے کاٹنے
کو دوڑتی تھی۔ رائے پور سے دلی تک کا راستہ میں نے روتے ہوئے کاٹا۔ تمہاری
بے التفاتی نے دل پر اتنا اثر کیا کہ میں یہاں آتے ہی بیمار پڑ گیا۔ کوئی چار مہینے
تک مسلسل بیمار رہا۔ اختر دیکھتا اور میری حالت پر کڑھتا۔ نہ مجھ سے بارہا پوچھتا

کہ کیا میں نے ناہید سے کچھ باتیں کیں۔ اسے اپنا بنانے کے کچھ جتن کئے ہیں۔
مگر میں دانستہ ٹال گیا۔ اسے کس طرح اپنی ناکامی کی داستان سناتا۔ وہ مجھ سے
اتنی محبت کرتی ہے کہ اس وقت ضرور غم زدہ ہو جاتا۔

اس عرصے میں میری زندگی بڑی پریشانیوں میں گذری ہماری جو زمین
تھی وہ سب حکومت نے لے لی۔ زمینداری ختم ہو رہی تھی اس لئے مجھے فکرِ
معاش نے مجھے گھیر لیا۔ تعلیم ختم کر لینے میں ابھی دو سال اور باقی تھے۔ یہ دو
سال میں نے بڑی مشکل سے بتائے۔ تمہارے دل آویز تصوّر کے سہارے یہ
پہاڑ سی گھڑیاں بیت گئیں۔ اور پھر میں نے اسی کالج میں آرٹ کے پروفیسر
کی حیثیت سے نوکری کر لی۔ اب میں مصوری کی کلاسیں لیتا تھا۔ میرا دل بجھ کر
رہ گیا تھا۔ کیونکہ اب تمہاری کوئی خیر خبر نہیں آتی تھی۔ اختر نے رائے پور میں اپنی
جائداد کی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ وہی ایک میرا غمخوار تھا۔ اب
وہ مجھ سے کافی دور تھا۔

برسات کا موسم رائے پور میں غضب کا ہوتا تھا۔ اختر نے مجھے بار بار
مدعو کیا اور اس لئے مجھے بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر دو سال کے طویل عرصے
کے بعد پھر رائے پور جانا پڑا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب کہ روبی روزانہ کالج میں مجھ
سے ملنے آتی تھی۔ مگر اس لڑکی سے مجھے کبھی اتنی سی بھی دلچسپی پیدا نہ ہو سکی۔
ہاں البتہ او شاید مجھے بہت رحم آتا تھا اس کی نگاہوں میں جو غم جھلکتا تھا اسے
دیکھ کر میں کانپ اٹھتا تھا۔ اس کی خود فریبی دیکھو ناہید کہ وہ اچھی طرح جانتی
تھی کہ میرے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، مگر اس کے باوجود بھی

مجھے پوجے جاتی تھی! جب میں نے کالج سے ایک ہفتے کی چھٹی لی تو اوشا نے مجھے ایک تنہا سے کنج میں لے جا کر مرتعش آواز میں کہا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے جیسے آپ رائے پور میں جا کر مجھے بھول جائیں گے۔

"میں نے تمہیں یاد ہی کب رکھا ہے اوشا۔" میں نے جان بوجھ کر تلخ جواب دیا۔

"ٹھیک ہے، لیکن میں تو آپ کو یاد کرتی ہوں۔ آپ تو میرے لئے اس دیوتا سمان ہیں جسکی پوجا کرنا میرا دھرم ہے۔ میں اپنے دھرم کو کیسے چھوڑ دوں ساجد صاحب۔"

"اوشا۔ میں تمہیں بارہا سمجھا چکا ہوں۔ میں تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔ مجھے تم سے محض ہمدردی ہے۔ تم اسے کچھ اور مت سمجھو۔ تم کالج میں پہلے ہی بدنام ہو چکی ہو۔ اب میں نہیں چاہتا کہ اور بدنام ہو۔"

"بدنامی تو ہو چکی۔ اس لئے اب میں اس سے نہیں ڈرتی۔"

اوشا نے بڑی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

میں نے اس کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے مجھ سے وعدہ لینے کی کوشش کی کہ میں اسے خط لکھوں گا۔ مگر میں نے کوئی وعدہ نہ کیا اور آخر کار پھر میں تمہارے پاس پہونچ گیا۔ اختر مجھے اسٹیشن پر لینے آیا تھا۔ چند شکوے شکایتیں کرنے کے بعد وہ مجھے گھر لے گیا۔ وہی جانا پہچانا سا ماحول۔ وہی مانوس گلیاں۔ وہی حسین جھروکے۔ ایک بے پایاں مسرت مجھے ان سب کو دیکھ کر ہوئی۔ مگر ساتھ ہی اس بات کا قلق

بھی ہوا کہ نہ جانے تم اب مجھ سے کس طرح پیش آؤ۔ کیا تم اب بھی ویسی ہی اکھڑی اکھڑی باتیں کروگی۔ کیا تمہاری جبینوں پر اب بھی اتنی ہی شکنیں موجود ہوں گی۔ کیا تمہارے لہجے میں وہی کھردراپن موجود ہوگا۔ ناہید! یہ سب کچھ سوچ کر میرا دل کانپ رہا تھا۔ مجھے وہ ملاقات بالکل نہ بھولی تھی جو اب سے دو سال پیشتر ہوئی تھی۔ تمہارے دل شکن برتاؤ نے درحقیقت مجھے نیم مردہ کر دیا تھا۔ مجھے وہ وقت بھی اچھی طرح یاد تھا جب کہ تم نے میری روانگی کے وقت بڑے تلخ جواب دیے تھے۔ تم نے مجھے ہزاروں صلواتیں سنا دی تھیں اور میں دل پر جبر کیے خاموش کھڑا رہا تھا۔ میں جس خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ جو سنہرے خواب میں دیکھ رہا تھا، تم نے مجھے ان خوابوں کے درمیان ہی جگا دیا تھا۔ میرے ارمانوں کا کتنا بھیانک انجام تھا۔ میں نے وہ سب کچھ اختر کو نہیں بتایا تھا اور اختر سمجھ رہا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں مگر میں جانتا تھا کہ کس بھیانک طوفان سے میری کشتی حیات ٹکرائی تھی۔

میں سہمتا ہوا اندر داخل ہوا۔ میری پہلے جیسی ہی آؤ بھگت ہوئی۔ باجی میرے آگے بچھی جاتی تھیں۔ مگر انہیں مجھ سے ایک شکایت تھی۔ میں خاموش کیوں ہوں۔ میری وہ شوخی کہاں گئی۔ میری آواز میں اتنا تدبر کیوں پیدا ہو گیا ہے۔ میں جوان سے ایک دم بزرگ کیوں بن گیا؟ — مگر میں انہیں کیا بتاتا، اس لیے میں نے ہنس کر ٹال دیا۔ میری نگاہیں اب تمہیں تلاش کر رہی تھیں۔ میں تمہارے چہرے کو ایک بار دیکھ کر تمہاری اندرونی حالت کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔ مگر تم فوراً ہی مجھے نظر نہ آئیں۔ جب

باجی نے تمہیں پکارا تو تم اپنے کمرے میں سے خاموشی سے برآمد ہوئیں تم نے ایک نظر مجھے دیکھ کر سر جھکا لیا اور پھر چپ چاپ اپنی امی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"تم نے دیکھا ناہید یہ حضرت کتنے احمق بنے ہوئے تشریف لائے ہیں!" باجی نے ہنس کر کہا۔

جواب میں تم نے بڑے مضمحل انداز میں مجھے سلام کر لیا اور میں نے اس کا جواب بھی دے دیا۔ میں تمہیں غور سے دیکھ رہا تھا۔ تمہارے چہرے پر غزور نام کو نہ تھا۔ تم بڑی اداس تھیں (یہ تو میں اب جانتا ہوں کہ محبت نے تمہارے سب کس بل نکال دیے تھے) پہلے کے مقابلے میں تم کافی کمزور ہو گئی تھیں۔ تمہاری آنکھوں کی گہری جھیلیں اب خشک تھیں، تمہارے گالوں کے سیب مرجھا گئے تھے اور تمہارے ہونٹوں کی نرم و نازک پنکھڑیاں سوکھی ہوئی سی لگتی تھیں۔ دو سال پہلے آیا تھا تو عجیب تغیر تم میں پایا تھا۔ اب دو سال بعد پھر آیا تو اس تغیر میں بھی تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ ڈرائینگ روم میں پھر ہم سب آ کر بیٹھ گئے۔ بچوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ بڑی مشکل سے انہیں خاموش کیا گیا اور پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ تم نگاہ نیچی کیے بیٹھی تھیں۔ اور میں تمہیں بار بار دزدیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

تم کتنی پیاری لگ رہی تھیں۔!

گلابی رنگ کے سوٹ میں سچ مجھے تم ایسی دکھائی دیں گویا

فردوس بریں سے کوئی حور زمین پر اتر آئی ہو؟ - میرے چاروں طرف شہنائیاں سی بجنے لگیں - کمرے میں بھینی بھینی خوشبو پھیل گئی - تمہاری امی - تمہاری باجی - تمہارے بھائی بہن - تمہاری خادمائیں اور اختر - جیسے یہ سب فضا میں تحلیل ہو گئے اور صرف تم میرے سامنے مثلِ آفتاب چمکنے لگیں - تمہارے توبہ شکن حسن پر میری نگاہ نہ ٹھہرتی تھی - میں اس خواب خوش آگیں سے جلد ہی چونکا - سب میری طرف دیکھ رہے تھے - میں خجل سا ہو کر زمین کو تکنے لگا -

باتیں - باتیں - لگاتار باتیں، میں اتنے دن بعد گیا تھا کہ دوسرے مجھ سے باتیں کرتے نہ تھکتے تھے - ان باتوں کے دوران میں نے ایک بات نوٹ کی - تمہارے لہجے سے وہ کرختگی اب دور ہو چکی تھی جو پہلے تھی - ساتھ ہی تم بڑے مدھم لہجے میں باتیں کرتی تھیں - تمہاری پیشانی کی لکیریں بھی اب معدوم تھیں اور بچوں کے ساتھ تمہارا برتاؤ بھی اچھا تھا - تمہاری برہمی اور نخوت اب بالکل ختم ہو چکی تھی اور میرے نزدیک یہ معجزے سے کسی طرح کم نہ تھا - تم کوشش کر رہی تھیں کہ ہم لوگوں کی باتوں میں جان بوجھ کر دخل دو - حالانکہ ایمان کی بات ہے کہ میں تم سے باتیں کرتے ہوئے گھبرا رہا تھا - مگر تمہارے اس بدلے ہوئے رویے کے باعث میری بھی کچھ ڈھارس بندھی - میرے سامنے تم جھکی جھکی نظروں سے بات کرتی تھیں - تمہاری پلکوں پر ندامت کا بوجھ حاوی تھا - جبھی تم مجھ سے نظر نہیں ملاتی تھیں - بات کرتے وقت تمہارے لہجے میں لکنت ہوتی تھی - مجھ سے نظر ملاتے ہی تم

گھبرا کر دوسری طرف دیکھنے لگتی تھیں۔ اس وقت مجھے اچانک کسی شاعر کا یہ شعر یاد آ جاتا۔

اس لمحہ میری طرف سے جب میں دیکھوں گا مگر
وہ نظر گھبرا کے صرف بام و در ہو جائے گی

شام کو اختر نے مجھے بازار کی سیر کرائی، جس سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر اس کی خوشنودی کی خاطر مجبوراً میں اس کے ساتھ گھوما۔ اس سے تو مجھے رنج پہونچا۔ مگر اخلاقاً ان سے کافی دیر تک باتیں کیں۔ رات کے وقت ہم واپس لوٹے۔ خلیل صاحب بھی جونک کی طرح چمٹے ہوئے تھے۔ گھر میں سب ہمارا انتظار کر رہے تھے اور تم ایک طرف بیٹھی ہوئی سلیم میاں کو سوال سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"نالائق۔ اتنا آسان سا سوال بھی تیری سمجھ میں نہیں آتا۔"

تمہارے اداس چہرے پر برہمی کی شکنیں اور غصے کی جھریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ انھیں دیکھ کر میں مسکرایا۔ حسن جب ناراض ہو تو قیامت بن جاتا ہے۔ تمہارے برتاؤ نے مجھے ایک حد تک تسکین پہونچا دی تھی اس لئے اب میں تم سے باتیں کرنے کے لئے بے چین تھا کیونکہ یہ تو میں نے دیکھ ہی لیا تھا کہ تم اب مجھ سے محجوب سی تھیں اور تمہاری آنکھوں سے ندامت بری طرح آشکارا تھی۔ میں نے ہمت کی اور آگے بڑھ کر تم سے پوچھا۔

"کون سا سوال ہے۔"

تمہارے رخ پر سے ناراضی کا تمام میل دھل گیا، تم سنبھل کر بیٹھ گئیں

اور نگاہیں نیچی کر کے بولیں

"۔ جی، یہ سوز کا سوال ہے"۔

"بات دراصل یہ ہے" میں نے اپنے حواس مجتمع کر کے آہستہ سے کہا "وہ آپ خود بھی تو ایک ناقابلِ حل سوال ہیں۔ آپ بھلا کسی کو کیا سوال سمجھائیں گی۔"

تم زیرِ لب مسکرا دیں۔

اور مجھے یوں لگا جیسے میرے جسم میں اچانک توانائی آگئی ہو۔ شاید یہ میری پہلی فتح تھی۔ تمہارا دل پسیج رہا تھا مگر میں اتنا ڈر رہا تھا کہ اب میں بہت محتاط رہنا چاہتا تھا، اس لئے خاموشی سے واپس آگیا۔ ڈرائینگ روم میں پورا گھر جمع تھا اور شاید سب میرا اور اختر ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کے بعد پھر باتیں شروع ہو گئیں۔ نا ختم ہونے والی باتیں۔ باجی کہہ رہی تھیں۔

"تم تو بالکل بدل گئے ہو ساجد۔ آخر بات کیا ہے؟ دس سال کے بعد آئے ہو اس لئے اب ہم تمہیں جلد واپس نہیں جانے دیں گے۔ تم سے لطائف سنیں گے اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنے طویل قہقہے بھی ہمیں ضرور سناؤ گے۔ ہم تو ان قہقہوں کو ترس گئے تھے۔ بچے تمہارے جانے کے بعد بڑے افسردہ رہے۔ ناھید بھی کافی خاموش رہی۔ تم اسے چھیڑتے رہتے تھے نا۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی اسے پھر تنگ کرے۔ تم واقعی بہت بیوقوف ہو۔۔۔"

نہ جانے باجی کیا کیا کہتی رہی۔ لیکن میرے حواس جواب دے گئے۔ زمین ایک لخت اچھلی تھی اور میں نے بھی اچھل کر فلک کی رفعتوں کو چھو لیا تھا۔ میں نہ جانے کن خوشنما وادیوں میں گھومنے لگا تھا۔ نیلی نیلی جھیلیں جا بجا بکھری پڑی تھیں۔ ان جھیلوں میں سفید براق سے ہنس کلیلیں کر رہے تھے۔ فضا میں خمار تھا۔ عطر بیز ہوائیں مستی کے خزانے لٹا رہی تھیں۔

میرا جی چاہا کہ باجی تمہارے بارے میں اسی طرح بولتی رہیں اور میں عالم غنودگی میں سنتا رہوں۔ میرے چاروں طرف شہنائیاں بجنے لگیں۔ بگھارے ہوئے دیئے بھڑک اٹھے۔ اور رنگ رانگ۔ رزم میں چراغاں ہو گیا۔ میری روح فرط مسرّت سے لہرانے لگی اور دنیا مجھے حسین نظر آنے لگی۔ حسین۔ بے حد حسین!

اور جب میں اس غنودگی سے چونکا تو تم میرے سامنے بیٹھی ہوئی مجھے تک رہی تھیں۔

تمہارے گھر کے کچھ کمروں کی مرمت ہو رہی تھی۔ اس لئے مجھے تمہارا کمرہ سونے کے لئے دیا گیا۔ میرے ساتھ ساتھ شمّو اور سلیم بھی کہانی سننے کی دھن میں آ گئے۔ ان کی زبانی معلوم ہوا کہ تم چند دن تک باجی کے ساتھ سوؤ گی۔ تھی تو عجیب سی بات کہ میں تمہارے کمرے میں سو رہا تھا، مگر اس کے علاوہ چارہ بھی نہ تھا۔ سردی کا موسم تھا اس لئے باہر بھی نہیں سو سکتا تھا۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد جب میں تمہارے بستر پر بیٹھا ہوں تو کیا بتاؤں میری کیا حالت ہوئی؟ بستر میں سے

اس قدر خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں کہ مجھے محسوس ہوتا تھا کسی گلستاں میں آ گیا ہوں۔ تمہارا بستر تمہاری طرح بہت ہی ملائم اور گداز تھا۔ تمہارے کمرے کی مخصوص خوشبوؤں میں بیٹھ کر یوں لگا جیسے تمہاری مشکبار اور معطر گھنیری زلفوں میں میں نے اپنا منہ چھپا لیا ہے۔ اور تمہاری یہ زلفیں آہستہ آہستہ پھیلتی گئیں۔ کمرے میں۔ پورے رائے پور پر۔ اور تمام کائنات پر۔ خوشبو بڑھتی ہی گئی اور میری روح لہرانے لگی۔ قریب تھا کہ میں تمہاری ان زلفوں کے سائے میں سو جاتا کہ شمو نے مجھے چونکا دیا۔

"کیا سوچ رہے ہیں بھیا؟"

"کچھ نہیں۔"

"آپ ہمیں کہانی کیوں نہیں سناتے۔"

"سناؤں گا۔ ضرور سناؤں گا۔"

"کہاں سنائیں گے۔ آپ تو بالکل خاموش سے ہیں۔ بالکل آپا کی طرح۔" سلیم نے کہا

"کیا تمہاری آپا بھی خاموش رہتی ہیں۔؟"

"ہاں۔" شمو نے رازدارانہ لہجے میں کہا "بھیا آپ کو ایک عجیب بات بتاؤں: آپا نے منع کر دیا ہے کہ کسی سے مت کہنا آپ کہیں گے تو نہیں۔؟"

"ہرگز نہیں۔"

"آپا آپ کی تصویر کو بار بار دیکھ کر رویا کرتی تھیں۔ اتنا روتی

تھیں کہ میں بتا نہیں سکتی۔"

میرے جذبات میں ہلچل سی شروع ہو گئی۔

"بڑی چپ چپ سی رہتی ہیں آپا۔ ایک بار پوچھنے لگیں شمو، تجھے ساجد صاحب یاد آتے ہیں؟"

"پھر تم نے کیا کہا۔؟" میرے لب مسرت سے کپکپا رہے تھے۔

"میں نے کہا ہاں یاد آتے ہیں۔ اس پر کہنے لگیں کہ تو کتنی خوش قسمت ہے کہ تجھے کوئی یاد آتا ہے تو تو اس کا اظہار کر سکتی ہے اور نہ لوگ کتنے بد قسمت ہیں جو کسی کو یاد کرتے ہیں مگر کہہ نہیں سکتے۔ بھیا میری سمجھ میں نہیں آیا اس کا مطلب کیا ہے۔؟"

فرط مسرت سے میں جھوم جھوم گیا۔ شمو کو گود میں اٹھا کر میں نے اسے بے اختیار چوم لیا اور پھر کہا۔

"اس کا جو مطلب تھا وہ میں نے سمجھ لیا میری گڑیا۔ بس اب تم جاؤ آج ہم کہانی نہیں سنائیں گے۔ کل ڈھیر ساری کہانیاں تمہیں سنائیں گے۔"

شمو نے ضد شروع کی ہی تھی کہ دروازے میں سے ایک معطر جھونکا آیا۔ اس کے بعد تم داخل ہوئیں میں گھبرا کر بستر سے کھڑا ہو گیا۔

"آیئے۔ تشریف لایئے۔"

"جی نہیں۔ میں تو ان دونوں کو لینے آئی تھی۔ آپ کو ناحق پریشان کر رہے ہوں گے۔ چلو شمو۔"

"نہیں مجھے تو پریشان نہیں کر رہے"

"پھر بھی ـــ اب ان دونوں کو سونا چاہئیے ـ" تم اتنا کہہ کر ان دونوں ہاتھ کا ہاتھ پکڑ کر مڑیں پھر اچانک تم نے رک کر پوچھا ـ

"آپ کو اس کمرے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے ـ"

"جی ہے تو ـ" میں نے بے باکی سے کہا ـ

تم حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں ـ

"خدا کے لئے مجھے کہیں اور سلوا دیجئیے ـ میں اس بستر پر نہیں سو سکتا ـ"

"کیوں ـــ ؟" تم نے مسکرا کر پوچھا

"اس لئے " میں نے تمہاری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا " اس لئے کہ میں ان خوشبوؤں میں رات بھر نہ سو سکوں گا ـ آپ کی یہ تصویریں ـ یہ اشیاء اور یہاں کا ماحول مجھے رات بھر ستائے گا ـ ہر وقت ایک خاص ہستی (میں نے ڈر کے مارے تمہارا نام نہیں لیا) میرے سامنے رہے گی ـ اور اسے سامنے دیکھ کر میں جو چاہوں کر نہیں سکتا بالکل مفلوج ہو کر رہ جاتا ہوں ـ"

تم مسکرا دیں ـ پھر خاموشی سے تم نے شمو اور سلیم کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گئیں ـ

اور ناہید : ــ وہ رات میری گراں قدر راتوں میں سے ایک ہے

جب کہ میں نے تمہارے نازک ہاتھوں کا لمس اپنے گالوں پر محسوس کیا تھا۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ لمحات تم کبھی نہیں بھول سکتیں اور مجھے انھیں دہرانے سے دکھ ہوتا ہے، پھر بھی میں تمہیں یاد دلائے دیتا ہوں وہ میرے لئے معراج کی رات سے کم نہ تھی۔ تم کوئی سویٹر بن رہی تھیں اور میں بچوں کو میٹھا میٹھا کہانی سنا رہا تھا۔ بچوں کو کیا بلکہ سب کو سنا رہا تھا۔ سب لحافوں اور کمبلوں میں ڈبکے ہوئے تھے۔ ریڈیو ہلکے سروں میں بج رہا تھا۔ سب کہانی سننے میں منہمک تھے کہ یکایک کسی نے بڑی پرسوز غزل چھیڑی۔

ہائے کس بت کی محبت میں گرفتار ہوئے
زندگی تلخ ہوئی جینے سے بیزار ہوئے

میں نے نظر اٹھا کر تم کو دیکھا۔ تم بھی مجھے پہلے ہی سے دیکھ رہی تھیں۔ لگاہیں ملتے ہی تم نے جلدی سے نظریں چرالیں۔ کہانی ذہن سے یکایک غائب ہو گئی۔ میرے لہجے میں روانی نہ رہی اور میں ہکلانے لگا۔

کس لئے دولت دل ان پہ لٹا دی ہم نے
آپ ہی اپنے پہ کیوں مائل پندار ہوئے

تمہارے ہاتھ کپکپانے لگے۔ سلائیاں تمہارے ہاتھ سے بار بار گرنے لگیں میں دزدیدہ نظر سے تمہیں دیکھتا رہا۔ تم یہ جتانے کے لئے جیسے کہ تم یہ گانا سن ہی نہیں رہی ہو گرے ہوئے گھر اٹھانے لگیں۔ لیکن تمہارے ہاتھ جذبات سے غداری کرتے رہے۔ گرنے ہوئے گھر اور گر گئے۔

ہم نے پایا تو یہ پایا ہے وفاؤں کا صلہ
مفت بدنام ہوئے بے بس و لاچار ہوئے

میرے جذبات کی کتنی صحیح عکاسی ہو رہی تھی اور تم میرے جذبات کو سمجھ رہی تھیں۔ گانے والا بار بار اشعار کو دہرا رہا تھا اور جب تم سے برداشت نہ ہو سکا تو تم جلدی سے اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ تم بھی اپنے جذبات سے شکست کھا گئی تھیں!

چاندنی رات تھی۔ کبھی کبھی میرے سوگوار دل کی طرح خنک چاندنی بھی سوگوار ہو جاتی۔ ایک کالی سی بدلی جب چاند پر آ گئی تو اندھیرا بڑھ گیا۔ لیکن اس اندھیرے کو میرے دل کی وہ شمع دور کر رہی جو تمہاری پر فسوں آنکھوں نے جلائی تھی میں گھنٹوں تمہارے متعلق سوچتا رہا۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ بھولی بسری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ ندی کے کنارے والی پکنک، پہاڑوں کی چڑھائی۔ بادلوں کا گھر گھر کے آنا اور تمہاری پریشانی، مجھے سب یاد تھا۔ میں بار بار کروٹیں بدل رہا تھا۔ میرا ذہن خلیل کے بارے میں بھی سوچنے میں مصروف تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ خلیل کا رویہ میرے ساتھ ایک حد تک اجنبیوں کا سا ہے، جتنا پُر خلوص وہ پہلے نظر آتا تھا، اب نہیں ہے۔ میں نے اسے ہمیشہ اپنی طرف گھورتے پایا اور میری سمجھ میں اس کی یہ اچانک تبدیلی نہیں آ سکی۔

میں تمہارے بستر پر دراز تھا اور ان گنت خوشبوئیں میرا دم گھونٹ رہی تھیں کہ اچانک تم سلیم کے ساتھ ادھر سے گذریں۔ سلیم نے مجھے جاگتے

دیکھ کر کہا۔

"بھیا آپ جاگ رہے ہیں، اچھا تو مجھے کہانی سنائیے۔"

"یہ کوئی کہانی سننے کا وقت ہے سلیم! دس بج رہے ہیں۔ چلو۔"

تم نے کہا۔

"رہنے دیجیے، میں کہانی سناؤں گا۔"

"جی نہیں، یہ تو بیوقوف ہے۔" اتنا کہہ کر تم نے کچھ سوچا، اور پھر پوچھا: "آپ جاگ کیوں رہے ہیں؟"

"نیند نہیں آرہی۔" میں نے بڑے دردیلے لہجے میں کہا۔ "کوشش تو کر رہا ہوں۔ ویسے راتوں کو جاگنے کی مجھے عادت ہے میری کوئی بھی رات آرام سے بسر نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا تصور چین نہیں لینے دیتا۔ وہ تو آرام سے سو جاتے ہوں گے، انھیں بھلا کیا معلوم کہ کوئی بستر پر کروٹیں بدل رہا ہے۔"

تم نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھرنے کے بعد الجھے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"پھر نیند آجائے گی۔ اب آپ سو جائیے۔"

تم سلیم کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گئیں اور تمہاری مدبھری آواز نے میرے کانوں میں جیسے ایک نشہ گھول دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں نے بیک وقت کئی بوتلیں شراب کی چڑھا لی ہوں۔ میری رگ رگ میں ایک خمار آہستہ آہستہ دوڑنے لگا۔ اور میرے لاشعور سے ایک

آواز بار بار میری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ آپ سو جائیے۔ آپ سو جائیے"۔ کتنا ترنم! ۔ کتنی شیرینی! ۔ جیسے کوئی ندی مدھم آواز میں گنگناتی ہوئی بہہ رہی ہو۔ میری آنکھیں بوجھل ہوتی گئیں۔ ایک سرور انگیز غنودگی نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور پھر ایک دل آویز جگہ پر میں نے تمہیں اپنے ہمراہ گھومتے ہوئے دیکھا۔ ندی کی لہریں بار بار بے تابی سے اوپر اچھلتیں، جیسے وہ نیلگوں آسمان کی بلندیوں کو چھو لینا چاہتی ہوں لہروں کے اس زیر و بم سے ایک خوشگوار ترنم پیدا ہو رہا تھا۔ جیسے قدرت مدھم سروں میں کائنات کو کوئی گیت سنا رہی ہو۔!

تم مخملی گھاس پر میرے ساتھ خراماں چل رہی تھیں۔ تمہاری زلفیں ہوا میں اس طرح لہرا رہی تھیں کہ مجھے بار بار گمان ہوتا گویا گھٹائیں میرا پیچھا کر رہی ہیں۔ تمہارے نقرئی قہقہوں کو سن کر خوش الحان طیور بالکل گنگ ہو گئے تھے۔ اور تم میرے ساتھ چل رہی تھیں ۔ ایک بہار تھی جو اٹھلاتی ہوئی میرے ہمراہ تھی ۔ میں خود پر نازاں تھا۔ پھر ہم ایک مقام پر سستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ یکایک تم نے ہاتھ بڑھایا اور میرے بالوں میں اپنی حنائی انگلیاں پھیرنے لگیں اور میری روح مسرت کے بوجھ سے دبنے لگی ۔ اور

اور پھر میں نے محسوس کیا جیسے یہ سب عالم بیداری میں ہو رہا ہے۔ درحقیقت ایسا ہی ہو رہا تھا۔ میرے پلنگ کے قریب کوئی دبے پاؤں چل رہا تھا۔ غنودگی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور میں نے آہستہ سے آنکھیں

کھول کر دیکھا چاندنی پر صبح کی سرخی غالب آتی جا رہی تھی، چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ میرے قدموں کی طرف سے ایک سایہ گذرا۔ اور میں نے دیکھا کہ تم ہو۔ تم اسوقت کسی ذہنی کشمکش میں بتلا تھیں۔ کبھی میرے پلنگ کے نزدیک آتیں اور کبھی باہر چلی جاتیں۔ تمہارا دل کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا۔ آخر فیصلہ کن انداز میں تم نے آگے قدم آگے بڑھایا اور میرے سانسوں کی روانی میں جیسے ایک دم قفل پڑ گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل اچھل کر اب باہر آ جائے گا۔ نہ جانے تم کیا کرنا چاہتیں تھیں۔ فوراً ہی یہ عقدہ حل ہو گیا، تم پلنگ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں لحاف آدھے سے زیادہ نیچے لٹک رہا تھا، تم نے نیچے لٹکے ہوئے لحاف کو چاروں طرف سے روئی کے گدّے کے نیچے دبانا شروع کر دیا۔ میں پلکوں کی چلمن میں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب تم لحاف دباتے دباتے میرے شانے تک آ گئیں تو رک کر میری شکل کو دیکھنے لگیں۔

بڑا نازک موقع تھا نا ہیدہ!

نہ جانے میں نے کیسے ضبط کر لیا اور کس طرح میں چپ لیٹا رہا۔ ورنہ ایسے مواقع پر انسان کی قوت ارادی دم توڑ دیتی ہے۔ پھر تمہارے دل میں نہ جانے کیا خیال آیا کہ تم نے آہستہ سے میرے بازو کو چھوا اور جیسے ... بجلی کا ایک تیز جھٹکا مجھے لگا۔ میری روح تک لرز اٹھی۔ مگر میں خاموشی سے تمہاری حرکات دیکھتا رہا۔ آج تمہارے استغنار اور تغافل کے چہروں سے نقاب الٹ رہی تھی۔

گگ وسنگ جزء ۱۱

تمہارا گرم گرم سانس میرے بازو کو چھو رہا تھا۔ اور ایک بھینی بھینی خوشبو مجھے اپنے بہت ہی قریب محسوس ہو رہی تھی۔ تم نے ایک طویل سانس لے کر میرے بالوں سے اپنی انگلیوں کو چھوا اور میرے جسم میں لاتعداد چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ دل دھڑکا۔ دھک دھک۔ دھک دھک، اور میں نے دل سے کہا

اے دلِ بیتاب۔ ذرا ٹھہر، اتنے زور سے مت دھڑک۔ میرے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر تو ہونے دے۔ ٹھہر جا خدا کے لئے!۔ تیری آواز کہیں کوئی سن نہ لے۔ دیکھ، زندگی کی روٹھی ہوئی راحتیں اب مجھ سے مل رہی ہیں۔ میرے خزاں دل میں بہار آ رہی ہے۔ چند ساعتوں کے لئے ٹھہر جا۔!

تمہاری نازک انگلیاں اب میری پیشانی کو چھو رہی تھیں۔ جیسے تم میری بگڑی ہوئی تقدیر کو پھر سے بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ چند لمحوں تک تم مجھے خاموشی سے دیکھتی رہیں اور پھر ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تمہارے جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں نے تمہیں نہ روک کر سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ کتنا اچھا موقع تھا حالِ دل آشکارا کرنے کا۔ مگر مجھے تم سے اب اتنا ڈر لگتا تھا کہ میں تمہیں نہ روک سکا۔ ناہید!۔ مجھے اپنی پاکیزگی کی فکر نہیں تھی مجھے اپنی شرافت کی بھی تشویش نہیں تھی۔ میری وقعت چلی جاتی، مجھے رنج نہ ہوتا۔ باجی مجھ سے روٹھ

جائیں میں سہہ لیتا، لیکن میری روح مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ تمہاری بدنامی ہو اور پھر میں تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں! ۔ تمہیں تا زندگی نہ دیکھ سکنے کا خیال میرے لئے سوہانِ روح تھا۔ اس لئے میں نے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ دیا۔ اپنی آرزوؤں کو تمہاری عزت کی قربان گاہ پہ بھینٹ چڑھا دیا۔ میرے جذبات سینے میں گھٹ کر رہ گئے ۔ میں یہ ہرگز نہ چاہتا تھا کہ کوئی تمہیں بالکل تنہائی میں میرے بستر کے قریب دیکھے!

یہ کوئی نئی بات نہیں۔ یہ بزدلانہ فعل صرف مجھی سے سرزد نہیں بلکہ دنیا میں ہزاروں بیوقوف نوجوان ایسے ہوں گے جن کے دلوں میں محبت لاوا بن کر بہہ رہی ہو گی۔ جنہیں پل بھر کا بھی سکون میسر نہ ہو گا۔ وہ بھی اتنے ہی مجبور و بے کس ہوں گے۔ انہیں بھی اپنی محبوباؤں کی عزت کا پاس ہو گا۔ اس عزت کا، جو دنیا کی ہر شے سے بلند تر ہے۔

اور پھر یہ اس سے اگلے دن کا ذکر ہے۔ گھر میں تاش کھیلا جا رہا تھا باجی اور اختر ایک طرف تھے اور میں دوسری طرف۔ تم حسب معمول سوئیٹر میں مصروف تھیں۔ باجی نے مجھ سے کہا

"تمہارا پارٹنر کون بنے گا۔؟"

میں نے تمہاری طرف دزدیدہ نظر سے دیکھ کر کہا۔

"وہ لوگ میرا پارٹنر بننے سے کتراتے ہیں۔ خدا جانے کیا بات ہے"

اختر نے تب تمہیں آواز دی اور تم سوئیٹر رکھ کر ہمارے پاس آ بیٹھیں۔

ہم سب رمی کھیل رہے تھے۔ اور تم مجھ سے کھیل رہی تھیں۔ عرصے سے کھیل رہی تھیں۔ میری حیثیت بھی تاش کے ایک پتے کی سی تھی جس طرح کوئی بڑا پتہ چھوٹے پتے کو کاٹ دیتا ہے، اسی طرح میرے ساتھ ہو رہا تھا۔ یہ کھیل تو زندگی میں ہزار بار کھیلے جا سکتے تھے۔ مگر وہ ساعتیں لوٹ کر نہیں آ سکتی تھیں۔ یہ ساعتیں میرے لیے درخشاں تھیں۔

لیکن اب ــــ

اب نہ وہ ساعتیں، نہ لمحات۔ اور وہ حسین ماحول سب میرے ذہن کی سطح پر کبھی نہ مٹنے والے نقش بن کر رہ گئے ہیں۔ رنگین دور گذر جاتا ہے مگر اس کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ تم سوچ رہی ہوگی کہ کہانی طویل ہوتی جا رہی ہے اور میں آخر اس طرح لگاتار کیوں لکھے جا رہا ہوں؟ ــ ناہید! ایک آگ سینے میں دہک رہی ہے۔ میں اپنا راز دار خود ہی ہوں۔ اور اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے میں تمہیں ہی اپنی روداد غم سنا رہا ہوں۔ تمہاری روشن جبیں پر یہ سطور پڑھتے وقت یقیناً ٹیڑھی میڑھی سی لکیریں پڑتی جا رہی ہوں گی۔ تم میری بے وقوفی پہ دل ہی دل میں طیش کھا رہی ہوگی ــ لیکن ــ میرے دل میں جھانک کر دیکھو۔ غموں کے نشتروں نے اس میں کتنے گھاؤ لگائے ہیں۔ تمہاری بے وفائی نے کتنے ناسور ڈال دیے ہیں اس میں! ــ یہ ناسور رس رہے ہیں اور رستے ہی رہیں گے۔

تمہاری بے وفائیوں ــ تمہاری ستم آرائیوں اور میری معصوم

محبت کی قسم! میں ان زخموں کا کبھی درماں نہ کروں گا۔ اس درد
کا کبھی مداوا نہ چاہوں گا۔ مجھے یہ دردِ لادوا بہت عزیز ہے جو تمہاری
بارگاہ سے عطا ہوا ہے ـــــ!

معاف کرنا۔ میں تمہیں یہ دلچسپ کہانی سناتے سناتے جذبات
کی رو میں بہہ جاتا ہوں اور جذبات کا دھارا بہت دور تک پھیلا ہوا
ہے۔ ہاں تو یہ اس سے اگلے دن کا واقعہ ہے جب کہ ہم نمائش کی
طرف جا رہے تھے۔ یہ نمائش میں جانے والا واقعہ بھی بڑا عجیب و غریب
تھا۔ ہوا یہ کہ باجی، بچے اور خلیل یہ سب تو سہ پہر ہی کو نمائش چلے
گئے۔ تمہارے سر میں درد تھا اس لئے یہ طے پایا کہ میں اور اختر جب
میٹنی شو دیکھ کر گھر آئیں تو تمہیں ساتھ لے کر نمائش آ جائیں۔ اور یہ کتنا
عجیب اتفاق تھا کہ جب ہم دونوں سینما سے باہر نکل رہے تھے تو اختر کا
ایک دوست مل گیا جو اسے اپنے ساتھ اس لئے لے گیا کہ اس کی والدہ
کی حالت خراب تھی اور اختر کے تعلقات جس ڈاکٹر سے تھے۔ اسی ڈاکٹر کی
اسی وقت ضرورت تھی۔ اختر نے چلتے چلتے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں ساتھ
لے کر نمائش چلوں وہ سیدھا وہیں آ جائے گا۔

یہ قسمت تھی جو ایک بار پھر مجھے تنہائی مل رہی تھی۔ اختر کے نظروں
سے اوجھل ہوتے ہی میں تیزی سے تمہارے گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ اگر
کوئی دیکھتا تو مجھے پاگل سمجھتا۔ ہاں، میں پاگل تو تھا ہی۔ اتنی سی مسرت
کے حصول کے لئے اتنی تگ و دو کر رہا تھا۔ روشنی کی ایک ننھی سی

کرن کے لئے اس ظلمت میں دوڑ رہا تھا جو انتہائی خطرناک اور مہیب تھی اور اب میں نے اس ظلمت کو چیر کر کیا پایا؟ — محض ایک ٹمٹماتا دیا — تمہاری محبت کا ایک دیا جو کبھی روشن تھا، مگر اب میں سسک سسک کر جل رہا ہے۔ اور جس کی روشنی کے سہارے میری بے نور زندگی راستہ ٹٹول کر چل رہی ہے۔ اسی روشنی کے طفیل میں اب تک زندہ ہوں ورنہ کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ وہ دیا جس سے پہلے تمہیں محبت تھی اور اب نفرت ہے کبھی کا مر چکا — یہ تو صدائے بازگشت ہے جو تمہیں سنائی دے رہی ہے۔ ایک خالی ڈھول ہے جو آواز دے رہا ہے۔ ورنہ اندر کچھ بھی نہیں —

تمہارے گھر پہونچ کر میں نے تمہیں بستر پر لیٹے ہوئے پایا۔ معلوم ہوا تمہاری طبیعت خراب ہے۔ اس لئے تم نے کہا کہ تم نمائش نہ جا سکوگی۔ میرا دل مرجھا گیا اور بہت ہی مرے ہوئے لہجے میں میں نے تم سے کہا۔

"بہت اچھا میں تو صرف اس لئے آیا تھا کہ آپ کے ساتھ وقت اچھی طرح گذر جائے گا۔ مگر شاید آپ یہ نہیں چاہتیں۔ ٹھیک ہے آپ نے دو سال پہلے میری قسمت کا فیصلہ بھی تو کر دیا تھا۔ اپنی وہ ذات میں بھولا نہیں ہوں ناہید صاحبہ۔ غلطی میری ہی تھی کہ میں نے آپ کی خدمت کرنے کی سوچی تھی لیکن میری ایسی قسمت کہاں ہے۔ یہ سعادت تو کسی اور ہی خوش نصیب کے حصے میں آئے گی۔ اس خوش نصیب کے جو آپ کو لاکھوں روپوں۔ عالیشان کوٹھی، بہترین موٹر کاروں،

عمدہ فرنیچر اور قیمتی زر و جواہر سے خرید لے گا۔"

تم بڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ شاید تم میری جرأت پر حیرت زدہ تھیں۔ تمہارے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔ تمہارے لب کپکپا رہے تھے۔ تم آہستہ آہستہ بستر سے اٹھ کر بیٹھ گئیں اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھنے لگیں کہ میرا دل اور بھر آیا۔ میں نے اپنی بھرائی ہوئی آواز کو قابو میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا۔

"سرا کیا ہے۔ میں تو موری میں رینگتے ہوئے ایک کیڑے کی مانند ہوں۔ شاید دنیا میں مجھ سے زیادہ بیوقوف اور کوئی نہ ملوگا۔ میں لگتا مانا ہوں کہ میں نے دریا کو بالشت سے ناپنے کی کوشش کی ہے۔ ستاروں کو چھو لینے کی تمنا کی ہے، نازک نازک پھولوں پر سے شبنم کو چھو لینے کی تمنا کی ہے۔ پاگل تو میں ہوں۔ دیوانہ تو صرف میں ہوں، آپ کا کیا ہے آپ کی اس میں کوئی خطا نہیں۔"

تمہاری نظریں زمین میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ تمہارے چہرے سے کرب ہویدا تھا۔ میں نے تمہیں ایک نظر دیکھا اور یہ کہتے ہوئے جانے کے لئے مڑا۔

"معاف کیجئے گا۔ نہ جانے کیا کیا کہہ گیا۔ اب میں جاتا ہوں۔"

میں چلنے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اچانک تم نے کہا۔

"ٹھہرئیے۔ آپ تانگہ لے آئیے، میں تیار ہوتی ہوں۔"

میری آنکھوں میں یہ سنتے ہی مسرت کے آنسو کپکپانے لگے۔ حسن عشق کے قریب آ رہا تھا۔ میری زندگی ہوئی دلہن رہی تھی۔ میں نے تمہیں پر تشکر انداز سے تمہیں دیکھا اور پھر سڑک پر سے تانگہ لینے چلا گیا۔

ہنگامِ مسرت میں مجھے یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ کب تانگہ آیا۔ کب ہم دونوں اس پر بیٹھے اور کب وہ چلا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب کہ تانگہ باغ کے برابر والی سڑک سے گذر رہا تھا اور اچانک اس کا پہیہ ٹوٹ گیا تھا۔ تانگہ چھوڑ کر تب ہم دونوں پیدل چلنے لگے۔ یہ سڑک سنسان تھی اس لئے اس پر آمد و رفت بہت کم تھی۔ تانگے والے نے رائے دی کہ ہم باغ کو عبور کر کے اگر دوسری سڑک پر چلے جائیں تو ہمیں سواری مل جائے گی۔ ہم نے یہی کیا۔

وہ وقت یاد تو تمہیں بھی ہوگا ناہید! تم ان لمحات پر فخر کرو یا نہ کرو۔ لیکن میرے لئے وہ ساعتیں ناقابلِ فراموش ہیں۔!

ٹھنڈی ٹھنڈی یخ بستہ ہوا یوکلپٹس کے قدآور درختوں سے ٹکرا کر نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہی تھی؟۔ رات بالکل اندھیری نہیں تھی۔ چاند نکل رہا تھا۔ مگر تمہارے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہی شرما کر بار بار کسی بدلی کی اوٹ میں ہو جاتا تھا۔ رات کی رانی کی مہک چاروں طرف سمت بکھری ہوئی تھی، خودرو پھول اپنی گردنیں نکال کر ہمیں چھپ چھپ کر دیکھتے اور پھر مخملی گھاس میں ڈوب جاتے۔ بید مجنوں کی ٹہنیاں بار بار بڑھ کر تمہارا راستہ روک لیتی تھیں اور مجھے ان

کی یہ گستاخی بری لگ رہی تھی۔ دنیا اس وقت کتنی حسین تھی ناہید۔ چمپئی رات۔ مسکراتا ہوا چاند۔ مکمل خاموشی اور زور زور دھڑکتے ہوئے دل۔ تم سردی سے کپکپا رہی تھیں۔ میں نے اپنا انڈر کوٹ اتار کر تمہیں دیتے ہوئے کہا۔

"سردی لگ جائے گی۔ یہ انڈر کوٹ پہن لیجئے۔"

"جی نہیں۔ پھر آپ کیا پہنیں گے۔" تم آہستہ آہستہ کھل رہی تھیں۔

"میری فکر نہ کیجئے۔ ایک آگ دل میں ایسی سلگ رہی ہے، جس سے بڑی راحت انگیز گرمی محسوس ہوتی رہتی ہے۔ آپ کوٹ پہن لیجئے۔ مگر ہاں، اس کی جیبیں مت ٹٹولیے گا، کبھی روبی یا کسی اور کی تصویر نکل آئے۔!" میں نے شرارت سے کہا اور تم نے شرما کر کوٹ پہن لیا۔

کچھ دیر تک تم خاموشی سے چلتی رہیں۔ اس کے بعد گھبرا کر بولیں۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہاں سے جلد ہی نکل چلئے۔ آگے جا کر سڑک پر کوئی تانگہ ضرور مل جائے گا۔"

"میرے ساتھ ہوتے ہوئے آپ کو ڈرنا تو نہیں چاہئے۔"

تم چپ ہو گئیں۔ یکایک ایک ستارے نے فلک کی پنہائیوں سے جھک کر مجھ سے کچھ کہا۔

"احمق کب تک اس آگ میں جلتا رہے گا۔ نادان یہ موقعہ پھر تجھے میسر نہ ہوگا۔ یہ وقت بڑا زریں ہے۔ ناہید اب شرمندہ ہے۔ اپنا مدعا پھر بیان کر۔ یہ لمحات پھر نہیں آئیں گے۔ ڈرتا کیوں ہے کیا لو

دیکھ نہیں رہا کہ وہ پہلے کی بہ نسبت کتنی بدل گئی ہے ۔!"

اور میں نے اس کا کہنا مان کر تمہارا برف جیسا ہاتھ ہمت کر کے پکڑ لیا ۔ تم نے آہستہ سے چھڑا لیا ۔ کہا کچھ نہیں ۔ میں نے پھر ہاتھ تھام لیا اور تم نے مجھے عجیب نظروں سے مسکرا کر دیکھا اور پھر گردن نیچی کر لی ۔ اس کے بعد میں نے سنجیدگی سے تمہارے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہنا شروع کیا ۔

" سنئے ! میں اس قیمتی وقت کو باتوں میں کھونا نہیں چاہتا ۔ میں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے کہ سالوں تک موہنہ پر خاموشی کی مہر لگائے رہا میری زندگی اتنی طویل نہیں ہے ناہید صاحبہ کہ میں لگاتار انتظار کرتا رہوں ۔ اتنی سی مختصر سی زندگی میں مجھے ایک ہی وقت تو وہ ملا تھا جب کہ آپ نے اپنے کمرے میں میری قسمت کا فیصلہ کر دیا تھا ۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس کے بعد میں آپ سے ایک لفظ بھی اپنے محبت کے بارے میں نہ کہوں ۔ مگر یہ دل بہت ظالم ہے ۔ یہ مجھے چین نہیں لینے دیتا ۔ اور سا ایک وقت مجھے آج ملا ہے جو شاید پھر کبھی نہیں ملے گا ۔"

برابر ہی سے نرکل کی کسی گل کے چٹکنے کی آواز آئی ۔ میں نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر کہا ۔

" قسمتیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں ۔ میں نے سوچا کہ قسمت کی دیوی شاید مجھ پر مہربان ہو گئی ہو ۔ آپ مہربان ہو گئی ہوں ۔ آپ کے بدلے ہوئے رویہ کو دیکھ کر میری ڈھارس بندھی ہے ۔ میں

چاہتا ہوں کہ پھر اس گفتگو کا اعادہ کروں جو آج سے دو سال پہلے کی تھی۔ آپ ناراض تو نہ ہوں گی۔؟"

تم خاموش رہیں۔

"میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں میرا کچھ خیال ہے تو خدارا یہ آنکھ مچولی بند کیجئے اور اقرار کر لیجئے کہ آپ مجھے چاہتی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو آخری بار مجھے بتلا دیجئے۔ میں تم آپ کی ہی قسم کھاتا ہوں کہ کبھی آپ کو اپنی منحوس صورت نہ دکھاؤں گا۔"

چاند بدلی کی اوٹ سے نکل آیا تھا اور اس کی خنک روشنی میں میں تمہارے حسین چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ تمہاری نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ لب کپکپا رہے تھے۔ وہ ہاتھ جو میرے ہاتھ میں تھا لرز رہا تھا۔ اور تمہارے سانس کا زیر و بم بتا رہا تھا کہ تمہارے اندر اسوقت بڑی کشمکش ہو رہی ہے۔ جب میں نے اصرار کیا تو تم نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اپنے پچھلے رویہ کی میں آپ سے معافی مانگنا چاہتی تھی مگر وقت نہ ملا۔ آپ مجھے معاف کر دیجئے۔"

میرے ہاتھ کی گرفت تمہارے شانے پر اور سخت ہو گئی۔

"اور وہ جو میں نے ابھی تک کہا ہے اس کا جواب۔؟"

"اس کا جواب میں کیا دوں۔ میری ندامت کیا اس کا اظہار نہیں کہ میں خطا دار ہوں۔"

"گول مول بات نہ کیجیے۔ صاف صاف بتائیے۔" میں نے مسکرا کر تمہارے چہرے کو بھانک کر دیکھا اور تم نے شرما کر نظریں چرالیں۔

"کہیے۔" میں نے پھر اصرار کیا۔

"میں نے آپ کو کبھی غیر نہیں سمجھا" تمہارے لہجے میں لکنت تھی۔

"اپنا بھی کب سمجھا ہے۔!"

"آپ کسی کے دل میں نہیں جھانک سکتے۔ اس کا علاج کوئی کیا کرے؟"

"یعنی۔ یعنی۔۔۔" میری مسرت کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔

"میں کیا کہوں!۔" تم نے شرما کر اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"آپ مجھے چاہتی ہیں۔!" مجھے اب بھی اعتبار نہ تھا۔

تم نے اقراری طور پر گردن ہلا دی اور نا معلوم تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ تمام ڈر اور خوف دل سے اچانک دور ہو گیا اور میں نے تمہیں جلدی سے اپنے سینے سے لگا لیا۔ تب نہ جانے تمہیں کیا ہوا کہ تم نے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔ تم بار بار مجھ سے معافی مانگ رہی تھیں اور میں تمہیں ایسا کرنے سے باز رکھ رہا تھا۔ سمندر میں جب طوفان آتا ہے تو وہ موتی بھری سیپیاں کناروں پہ پھینک جاتا ہے۔ میرے دل میں بھی عرصے سے ایک طوفان اٹھ رہا تھا۔ اور اس طوفان نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس نے مجھے مسرت کے جواہر عطا کر دیے اور اس دن میں نے خود کو بڑا خوش نصیب

تصوّر کیا۔

راستے بھر تم شرماتی لجاتی رہیں اور میں تمہیں برابر چھیڑتا رہا۔ آخر اسی چھیڑ چھاڑ میں نمائش آگئی۔ دور ہی سے میں نے دیکھا کہ اختر اور خلیل نمائش کے دروازے پر بڑی پریشانی کی حالت میں کھڑے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ اختر نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔ البتہ میں نے اندازہ لگایا کہ خلیل ان باتوں سے خوش نہیں ہے۔ جسم دونوں جو اکیلے آئے ہیں اسے یہ پسند نہیں۔ اختر کے پوچھنے پر میں نے حقیقت بتا دی، مگر خلیل برابر بے اطمینانی کی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ نمائش میں گھومنے کے دوران وہ جان بوجھ کر تمہارے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ مجھ سے اوّل تو بہت کم بولتا اور اگر میں کچھ پوچھتا بھی تو اس کا جواب ہوں ہاں کر کے دے دیتا۔ میں اس کے اس رویے سے سخت پریشان ہو گیا اور آخر کار جب مجھ سے برداشت نہ ہو سکا تو میں نے تنہائی میں اختر سے کہا۔

"اختر میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

"میں بھی تم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

"چلو پہلے تم ہی پوچھ لو۔"

"معلوم ہوتا ہے استاد تم نے ناہید کو رام کر لیا ہے!"

"ہاں ہے" میں نے شرما کر جواب دیا۔ "مجھے بہت پاپڑ بیلنے پڑے

ہیں اختر.....“

”میں جانتا ہوں۔ مگر دیکھو اب اس کے دل کو ٹھیس نہیں لگے
میں ناہید سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اگر اب وہ اداس رہی تو میں
تم سے باز پرس کروں گا۔ جہاں تک ہو اس کی دلجوئی کرو۔ اسے
اگر سینما وغیرہ لے جانا چاہو تو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔ مگر اختر باجی نہ جانے کیا سمجھیں۔ یہ طریقہ ٹھیک
نہیں ہے۔“ میں نے جلدی سے کہا۔

”مجھے تم پر اطمینان ہے، تم آخر میرے دوست ہو اور میں
جانتا ہوں کہ کسی ذلیل حرکت کے مرتکب نہیں ہو سکتے۔“

”شکریہ۔ لیکن میں جو پوچھنا چاہتا تھا وہ خلیل کے بارے
میں ہے۔!“

”خلیل۔!“ اختر نے ایک طویل سانس لے کر کہا ”ہاں
ساجد تمہاری حماقت سے ایسا ہوا۔ تم نے محبت کی منزل تک پہونچنے
میں بہت دیر کر دی۔ خلیل اس منزل تک اپنی جائداد، عمدہ کوٹھی،
اور دولت کے سہارے پہونچنا چاہتا ہے۔!“

”ٹھیک ہے، میرا بھی یہی خیال ہے۔“ میں نے افسردگی سے
کہا۔

”ہمارے بہنوئی صاحب اسے بہت پسند کرتے ہیں۔ ناہید
کے لئے اس کا پیغام بھی آچکا ہے۔“ اختر نے تفکرانہ انداز سے کہا

شروع کیا ہے مگر تمہیں اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔ تم گھر جاتے ہی اپنی والدہ سے سلسلۂ جنبانی کراؤ میں تمہاری مدد کروں گا۔ بے فکر رہو۔!!

میری تمام امنگوں پر جیسے یہ سن کر اوس پڑ گئی ناہید۔ واقعی میں نے بہت دیر کر دی تھی۔ میں اس قدر گھبرا گیا کہ میں نے فوراً ہی دلی واپس آنے کا ارادہ کر لیا۔ تنہائی میں تم سے جب اس کا ذکر کیا تو تم افسردہ ہو گئیں۔ تم نے کہا کہ تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے۔ رائے پور سے ٹرین اگلے دن صبح جاتی تھی۔ اس لئے مجھے یہ رات ابھی تمہارے گھر میں ہی گذارنی تھی۔

تمہارے کمرے میں جو چیزیں رکھی تھیں، انھیں اب مجھے دیکھنے کا حق تھا۔ سب سے پہلے تو میں نے تمہاری ایک بالکل نئی اور حسین تصویر اتار کر اپنے سوٹ کیس میں رکھ لی اور اس کے بعد میں نے تمہارے ذوقِ ادب کا جائزہ لینے کے لئے الماری میں قرینے سے چنی ہوئی کتب کو دیکھنا شروع کیا۔ چند کتابیں دیکھتے دیکھتے اچانک ایک موٹی سی کتاب کے اندر سے مجھے کچھ اوراق ملے۔ میں نے سرسری طور پر انھیں دیکھا تو ان میں جا بجا مجھے اپنا نام لکھا ہوا نظر آیا۔ یہ لکھتے ہوئے اب مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں نے جلدی سے وہ اوراق اپنے سوٹ کیس میں رکھ دیے۔ (یہ اوراق وہی ہیں جن کا تذکرہ میں پہلے بھی کر آیا ہوں اور جو میری

اس طویل داستان میں شامل ہیں) ارادہ تھا کہ انھیں پڑھ کر واپس رکھ دوں گا مگر اس کا موقع ہی نہ ملا۔

اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب کہ میں نے خود کو دنیا میں سب سے زیادہ بد نصیب سمجھا۔ اس دن میں تم سے جدا ہو رہا تھا۔ تم ایک ستون کا سہارا لیے بظاہر خاموش کھڑی تھیں، لیکن تمہارے دل کی جو حالت تھی وہ مجھ سے پوشیدہ نہ تھی۔ وقت رخصت میرے آنسو بہہ نکلے اور تم نے سب سے چھپ کر مجھے کانپتے لبوں سے تسلیم کہا۔ اور پھر دو چیزیں مجھے عطا کیں۔ ایک معطر رومال اور ایک سویٹر۔ اس کے بعد تم فوراً اندر چلی گئیں۔ گھر سے باہر آ کر میرا دل بھر آیا۔ مگر میں نے دل خود پر جا باری قابو پا لیا۔ ورنہ راز یقیناً ظاہر ہو جاتا۔ باہر آ کر میں نے تمہارے کمرے کے اس جھروکے کی طرف دیکھا۔ صرف یہ سوچتے ہوئے کہ —

اک نظر تیرے دریچے کی طرف دیکھ تو لوں
ڈوبتی آنکھوں میں پھر تاب نظر ہو کہ نہ ہو

تم وہاں کھڑی تھیں۔ بار بار دوپٹے کا پلو تمہاری آنکھوں تک جا کر واپس آ جاتا۔ میری جان! تم اس وقت رو رہی تھیں۔ تمہارے گھٹے ہوئے جذبات تمہاری آنکھوں کے راستے بہہ رہے تھے۔ میرا دل رو رہا تھا۔ مگر میں مجبور تھا، سب کے سامنے دل کھول کر نہیں رو سکتا تھا۔ اختر کے ساتھ میں تانگے میں بیٹھا۔ اختر نے بھی تمہیں روتے

ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میری اندرونی کیفیت سے بھی وہ اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے اس نے مجھے تسلّی دینے کی کوشش کی اور اس تسلی سے میرے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور میری آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ میں کب واپس دلّی آیا۔ راستے بھر تم میرے تصور میں جگمگاتی رہیں۔ اور میں اپنے آنسوؤں کے پھول تم پر چڑھاتا رہا —

میں نے تم سے محبت کی۔ اور زندگی میں یہ سب سے بڑا فریب ہے جو میں نے کھایا ہے۔ میں نے یہاں آکر والدہ کے ذریعہ پیغام بھجوایا۔ مگر جانتی ہو کیا ہوا —؟ خلیل اور میں۔ ہم دو مسافر تھے اور ایک ہی راستے پر اپنی طرف جا رہے تھے — خلیل کو زندگی کی مسرتیں میسر تھیں۔ میں بالکل درماندہ تھا۔ اس لئے خلیل منزل تک پہونچ گیا نا ھیدا! — اس نے اپنی زمینوں، اپنی جائداد۔ اپنی کوٹھی اور اپنی دولت کے سہارے تمہیں جیت لیا۔ میرے پیغام کا صاف انکار ہیں آیا۔ مجھے تسلی دے دی گئی۔ اس کے بعد اختر اور باجی کے خط آئے۔ اختر شرمندہ تھا اس نے حتی الوسع گھر والوں کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ مگر گھر والوں میں سے صرف تمہارے والد ہی نہ مان سکے۔ اور پھر تمہیں ہمیشہ کے لئے خلیل کو سونپ دیا گیا۔

یہ انجام تھا میری شب و روز دعاؤں کا۔ یہ حاصل تھا میری

ناکام محبت کا۔ اور یہ صلا تھا میری وفا کا۔ بے وفا ناہید، تم نے اس کے بعد مجھے ایک لفظ بھی پشیمانی کا نہیں لکھا۔ ہو سکتا ہے کہ تم مجبور ہو۔ مگر ایسی بھی مجبوری کیا کہ تم ان لمحات کے عہد و پیمان کو بھول جاؤ جن کا گواہ چمکتا ہوا چاند ہے۔ تنہا باغ کے کنارے اُگے ہوئے خودرو پھول ہیں۔ سہمی ہوئی پگڈنڈیاں ہیں اور خاموش سے درخت ہیں۔ تم نے ذرا بھی احتجاج نہیں کیا اور خاموشی سے اپنا دامن دوسرے کے دامن سے باندھ لیا۔ تم نے، جس کی تحریر اور جس کے جذبات گذشتہ صفحات میں درج ہیں، مجھے کس طرح بھلا دیا؟ یہ میں آج تک سمجھنے سے قاصر ہوں۔ تم نے مجھے اتنے طویل عرصے کے اندر ایک ننھا سا پرزہ بھی نہیں لکھا۔ ناھید، تحریر کسی کی تقدیر کو بنا نہیں سکتی۔ لیکن اسے مطمئن ضرور کر سکتی ہے۔ لیکن میں مطمئن نہیں ہو سکا۔ تمہاری بے وفائی کے باوجود تمہاری یاد کی شمعیں میرے دل میں فروزاں ہو گئیں۔ مگر اس کا انعام مجھے عجیب ملا۔ مجھے بعد میں علم ہوا کہ تمہیں اب مجھ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ میں بدبخت تمہاری نظروں کے محلات سے ذلیل ہو کر نکال دیا گیا ہوں۔ تمہارے دل کی دھڑکن میرے نام کی آہٹ پا کر رکنے لگتی ہے۔ میرا نام تمہارے ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا ہے۔ اور اب خلیل تمہیں چاہتا ہے۔ خلیل نے ایک فاختہ کو مقید کر لیا ہے

اور یہ خلیل بڑا خوش قسمت ہے ناہید!

خلیل کے پاس دولت ہے۔ عزت ہے۔ اس کے ہاتھوں میں

ہیرے جواہرات کی انگوٹھیاں ہیں۔ اس کے گریبان میں سونے کے بٹن لگے ہیں۔ گلے میں سونے کی زنجیر پڑی ہے، اس کے گھر میں سونے کی کانیں ہیں۔ اس کے یہاں فرشش پر قیمتی قالین بچھے ہیں اس کے پاس دو دو موٹریں ہیں۔

کہاں بھلا میں ۔؟ میرا تمہارا کیا جوڑ ؟۔ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند بھلا معلوم نہیں دیتا۔ میں ایک حقیر سا نادان نوجوان ہوں، جس کی محبت بھی حقیر سمجھی گئی ہے۔ جس کے پاس محض ایک شکستہ دل کے اور کچھ نہیں۔ جو تمہیں موٹروں اور جواہرات کا جھلک نہیں دکھا سکتا جو تمہارے جسم پر سونا نہیں لاد سکتا جو تمہارے والدین پر اپنی امیری کا رعب نہیں ڈال سکتا ۔!

لیکن میری روح !۔ میں تم پر الزام نہیں لگانا چاہتا۔ خلیل تمہیں چاہتا ہے، لیکن میں اپنے دل شوریدہ کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا ہوں کہ تم اسے نہیں چاہتی ہو گی۔ تمہیں اس کا ذرا بھی خیال نہ ہو گا۔

میرا دل بڑا معصوم ہے !

میری معصوم محبت کی طرح ۔ تمہاری طرح ۔!

ہو سکتا ہے کہ میں اپنے دل کو فریب دے رہا ہوں۔ فریب کھانے کی اب اس قدر عادت پڑ چکی ہے کہ میں ہر تازہ فریب کھا لیتا ہوں اور پھر اس طرح میری زندگی بھی کچھ بڑھ جائے گی۔ یہ فریب میرے دل کے لیے بعینہ دھڑکن کی مانند ہے۔ اسی کے سہارے میں کچھ اور جی لوں گا۔ میں

مرنا نہیں چاہتا۔ مجھے ابھی موت کی خواہش نہیں۔ میں چاہتا ہوں کسی نہ کسی طرح بس ایک بار۔ آخری بار دیکھ لوں!۔ لیکن وقت اب مجھ پر اتنا بڑا احسان کبھی نہیں کر سکتا۔ وقت نے کب کسی کا ساتھ دیا ہے جو میرا دے گا۔!

تم حیران ہو رہی ہو گی اور شاید تمہیں طیش بھی آ رہا ہو گا کہ آخر میں ان باتوں کو کیوں دھرا رہا ہوں جنہیں تم جانتی ہو؟۔ ٹھیک ہے تم یہ سوچنے میں حق بجانب ہو۔ لیکن یہ روداد غم سنانے سے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ تم میرے شکستہ آئینۂ دل میں اپنی صورت دیکھ سکو۔ تم جان سکو کہ تم نے مجھ پر کتنا بڑا ستم کیا ہے!۔ تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں تم سے کھیلا نہیں۔ تم پر یہ راز آشکارا ہو جائے کہ تم نے کبھی مجھ سے محبت کی تھی اور اس طرح شاید تمہاری خوابیدہ محبت جاگ اٹھے۔ میں صرف ایک نگاہِ التفات کا محتاج ہوں۔ اس نگاہ کا جو میری زندگی کے دھارے کا رخ یک بیک پلٹ سکتی ہے!

مگر نہیں۔ میں تم سے یہ التجا نہیں کروں گا ظالم اور بے وفا محبوبہ۔ میں خود کو اتنے نیچے نہیں گرا سکتا۔ میری زندگی میں ابھی ہزاروں لڑکیاں آئیں گی۔ تم سے زیادہ حسین۔ تم سے کہیں زیادہ خوبرو اور معصوم۔ میں نا امید نہیں ہوا۔ تمہارا منشا یہی ہے نا کہ میں کرب و اذیت سے مثلِ ماہیٔ تڑپتا رہوں اور تم خوشی سے دیکھتی رہو۔ میں موت کی تمنا میں ایڑیاں رگڑا کروں اور تم فخر کرتی رہو۔ ہر سانس میری روح میں

ایک نیا نا سور پیدا کرتا رہے اور تم مسکراتی رہو۔ میں بلکتا رہوں، تم ہنستی رہو۔ میں سسکتا رہوں تم میری زندگی کے بے چین سانس شمار کرتی رہو۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں ہو سکتا۔۔۔!

مانا کہ میں نے محبت کی وادیوں میں بہت جھک کر پرواز کی ہے۔ میں نے چکور بن کر ماہ الفت کو پانے کی کوشش کی ہے اور میں اس میں کامیاب بھی ہوا ہوں۔ لیکن مجھ میں حوصلہ ہے اور جیسے کہ میں نے پہلے کیا ہے، میں تمہارے بغیر بھی جی سکتا ہوں۔ تم سی ہزاروں لڑکیاں میری زندگی میں آئیں گی۔ ہزاروں مجھ سے محبت کریں گی، لیکن میں انھیں قہقہے لگا کر ٹھکراؤں گا۔ مجھے ان کی اتنی سی بھی پروا نہیں ہو گی۔ تم سب کی سرشت میں بے وفائی ہے۔ تم سب فریبی ہو۔ مجھے تم سے نفرت ہے۔ میں اب سسک نہیں سکتا، اب نہیں بلک سکتا۔ میں تمہیں تڑپانے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔!

میری مسرتوں کے ڈوبتے ہوئے سورج!۔۔ طلوع ہو۔ مجھے ابھی تیری روشنی کی ضرورت ہے۔ میری حیات کا گل مرجھا رہا ہے۔ اس پھول کو تازگی بخش۔۔!

اے بہارو۔ اے حسین گھٹاؤ! خوب گھر گھر کر آؤ۔ خوب برسو۔ دھواں دھار برسو۔ اتنا برسو کہ میرے دل پر سے سالوں پرانی محبت کا نام و نشان دھل جائے۔ میرے ذہن سے کسی کی حسین تشبیہہ کا عکس دھل جائے۔ وہ یادیں بہہ جائیں جو میرے سینے میں دفن ہیں۔ وہ

محلات گر جائیں جو ہیں نے کسی کی کھو کھلی محبت کی بنیادوں پر قائم کئے

تھے۔!

خوب صورت پرندو!

پھپھاؤ۔ خوب پھپھاؤ۔ زندگی بڑی خوبصورت ہے۔ تمہارے

پھپھانے سے میرا غم بٹ جائے گا۔ خدا کی دی ہوئی نعمت۔ یعنی میری

زندگی تمہارے پھپھانے سے غمگین نہ ہو سکے گی۔ فطرت کے عطا

کردہ حسین مناظر مجھے جینا سکھائیں گے۔ میں بھی کتنا بے وقوف تھا

کہ اس قدرتی حسن کو دیکھنے سے محروم رہا جو مناظر کی صورت میں دنیا

کے ہر چار سو پھیلا ہوا ہے!

اور اے میری محبت!

جا۔ جا کر کہیں کھنڈروں میں سو جا۔ ڈوب جا کسی اتھاہ سمندر

میں۔ مرٹ جا میرے دل سے۔!

سو جا۔ سو جا اے نوخیز کلی!

دیکھ میں تجھے تھپک تھپک کر سلا رہا ہوں۔ ناکامیوں کے نغمے

گا کر سلا رہا ہوں۔ پھر مت جاگنا، ہمیشہ کے لئے سو جا۔ دنیا میں میرا

کوئی نہیں ہے اور نہ میں کسی کو اپنا بنانا چاہتا ہوں۔ میری بدنصیب

ساتھی، میری ویران محبت!۔ خدا کے لئے کہیں اور جا بس۔ میرے

دل میں تیرے لئے کوئی جگہ نہیں۔ مجھ سے اب ہمیشہ کے لئے جدا ہو جا

کیونکہ اب تیرا میرا کوئی ساتھ نہیں!

اوہ! ۔ یہ میں کیا بک گیا ناہید! ۔ تم ناراض تو نہیں ہوگئیں؟
تمہیں اپنے چاہنے والے خلیل کی قسم ناراض مت ہونا ۔ میں نے سچ مچ
پاگلوں کی سی باتیں کی ہیں ۔ تمہارے نازک دل کو ٹھیس نہ لگے اس
لئے لو میں معافی مانگ رہا ہوں ۔ قصور دراصل میرا ہی ہے ۔ میں نے
بڑے ارمانوں سے سمندر کے کنارے ریت کا ایک خوبصورت گھروندہ
بنایا تھا ۔ لیکن سمندر کی مخالف لہروں نے یہ محل ۔ یہ گھروندہ ڈھا دیا ۔
میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں ۔ زبان میں کانٹے سے پڑے جا رہے
ہیں اور میرا بدن تدریج گرم ہوتا جا رہا ہے ۔ اختر کے خط نے میری حالت
غیر کر دی ہے ۔ اس نے میری سوئی محبت کو جگا دیا ہے ۔ مگر محبت کے
جاگنے سے کیا فائدہ جب کہ میں خود سونے والا ہوں ۔ میں اب زیادہ
نہیں لکھ سکتا ۔ جو کچھ مجھے کہنا تھا وہ اب یہاں ختم ہوتا ہے ۔ مگر یہ طویل
داستان ختم کرنے سے پہلے میں تم سے دو باتیں اور کہنا چاہتا ہوں ۔

تم ہمیشہ خوش رہو ۔ یہ میری دلی خواہش ہے ۔ لیکن جب
کبھی میں تمہیں یاد آؤں تو صرف مسکرا دینا ۔ اسی انداز سے جس پر کہ میری
جان جاتی تھی ! ۔ میں سمجھوں گا کہ میری حماقتوں کا صلا مجھے مل گیا ۔
اپنے مسرت کے لمحات میں مجھے بھول کر بھی یاد نہ کرنا ۔ میں نہیں
چاہتا کہ میرا تصور تمہیں غمگین کر دے ۔ وہ زمانہ جلد ہی آنے والا
ہے جب کہ میں خود کو بھول جاؤں گا ۔ مگر تمہیں برابر یاد رکھوں گا ۔

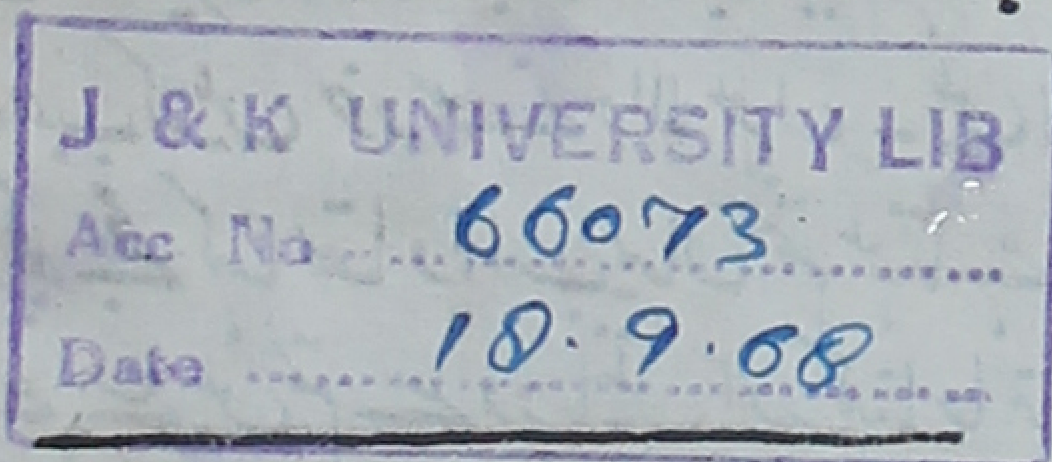
تمہارے حسن کی چمک ماند پڑ جائے گی۔ تم مجھے بھول جاؤ گی۔ مگر تمہاری یاد میرے دل سے کبھی دور نہ ہو گی ۔۔ اندرا ناھید! ۔۔ یہ یاد کبھی نہیں مٹ سکتی ۔ یادوں ہی سے زندگی بنتی ہے ۔۔ یادیں کبھی فنا نہیں ہوتیں ۔

زندگی کی بھول بھٹکی راہوں میں مجھے ایک ننھا سا مسافر ملا تھا، جس سے آج ہمیشہ کے لئے بچھڑ رہا ہوں ۔

الوداع میری محبت !

خدا حافظ ۔۔ میری ناکام محبت ۔ ہمیشہ کے لئے

الوداع ۔!





نوٹ :۔ فرصت کے اوقات میں محترم سراج انور صاحب کے جادو نگار قلم سے لکھا ہوا۔ ہر ماہ ایک مکمل جاسوسی ناول ماہنامہ "ملزم" میں ملاحظہ فرمائیں

L.M.D.